حضرت
علی رضی اللہ عنہ
بن ابی طالب
ڈاکٹر محمد حمید اللہ
/payamequran
/Dr.Muhammad.Hamidullah

www.drmhamidullah.com

www.drmhamidullah.com

تاریخ اسلام کے کسی شخص کی سوانح عمری لکھنا غالباً اتنا دشوار نہیں جتنا حضرت علیؓ کی، کیونکہ اس میں تعلق بد قسمتی سے عقائد سے ہو گیا ہے، اور شیعہ، سنی، معتزلی اور اباضی (خارجی) مؤرخ بھی بے شعوری میں جذبات سے اتنے متاثر نظر آتے ہیں کہ آج ساڑھے تیرہ سو سال بعد بھی دامن سمیٹ کر کوئی ایسی چیز لکھنا آسان نہیں جسے سب قبول کر سکیں۔ اختلافی چیزوں سے سکوت کرنے میں سوانح عمری نامکمل ہو جاتی ہے، اور تحقیق حق کے نتائج کو بیان نہ کرنا بد دیانتی ہوتی ہے۔ بہر حال ہم امکانی حد تک کوشش کریں گے۔

یہ ابو طالب بن عبد المطلب اور ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کے بیٹے، پیغمبر اسلام ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد، اور سابقین اوّلین میں سے تھے۔ ولادت کہتے ہیں اس وقت ہوئی جب حاملہ ماں جوف کعبہ کے اندر تھی۔[1] سنّی انہیں خلفائے راشدین میں بطور خلیفۂ چہارم داخل کرتے ہیں۔ شیعوں کے ہاں ان کو خلیفۂ اول ہونے کا حقدار سمجھا جاتا ہے۔ معتزلہ ان کی فضیلت کے بارے میں سنیوں سے اختلاف کرتے ہیں۔ غالی خارجی ان کو اسلام ہی سے خارج کرتے ہیں۔

---

۱) شاہ ولی اللہ—ازالۃ الخفاء۔ ۲-۲۵۱

یتیم پیغمبر اسلام ﷺ نے ابو طالب کے گھر میں پرورش پائی اور سن شعور کو پہنچے تو چچا کو تجارتی کاروبار میں مدد دیتے رہے۔ حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد چچا کا مکان ترک کیا اور بیوی کی تجارت میں شریک اور کارندہ ہو گئے۔ یہ تو واضح نہیں کہ پھر چچا کی دکان بھی چلاتے رہے یا نہیں، لیکن چچا کا مالی بوجھ کم کرنے کے لیے اس کے ایک بیٹے، علیؓ کو اپنی تبنیت میں لے لیا اور سفارش کر کے ایک دوسرے بیٹے، جعفر کو عباس بن عبد المطلب کی تبنیت دلا دی۔ علیؓ سانولے اور پستہ قد تھے۔ زمانۂ خلافت میں کوفہ میں لوگ ان کو دیکھتے تو "بزرگ اشکنب (شکم) آمد" کا فقرہ کسا کرتے تھے۔[۲] بڑا سر، ذہین اور سورما سپاہی تھے۔ روحانی لگاؤ بھی بہت تھا، اور شیعہ ہی نہیں سنیوں کے ہاں بھی متعدد سلسلہ ہائے طریقت انہیں کے توسط سے رسول اللہ ﷺ سے متصل ہوتے ہیں، جیسے قادریہ، سہروردیہ۔

ان کا بعثت نبویؐ کے وقت علی العموم نابالغ ہونا سمجھا جاتا ہے۔ ابن سعد (طبقات ۳۔ ۱، ص ۱۳) کے مطابق "گیارہ، دس، نو، یا نو سے بھی کم سال کے" تھے۔ ممکن ہے بعثت کے وقت تقریباً نو سال کے ہوں، اور فترت کے بعد جب تبلیغ شروع کی تو گیارہ ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں یہ بھی مسلمان ہوئے ہوں۔ ابن کثیر کے مطابق تو ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵ یا ۱۶ سال کی عمر میں اسلام لائے تھے۔ ابتدائی مسلمانوں میں سے ایک کا بیان ہے: میں نے ایک دن دیکھا کہ ایک شخص اٹھک بیٹھک کر رہا ہے اور اس کے دائیں ایک لڑکا، اور پیچھے ایک عورت بھی اقتدا کر رہے ہیں۔ دریافت پر لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ آنحضرت ﷺ، ان کا متبنیٰ علیؓ، اور ان کی بیوی خدیجہؓ ہیں اور ایک نئے دین پر عمل کرنے لگے ہیں۔[۳]

طبری نے علیؓ کے اسلام لانے کی دو روایتیں بیان کی ہیں۔ ایک (صفحہ ۱۱۶۴) یہ کہ وہ شروع ہی سے مسلمان ہو گئے تھے اور چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ ایک دن ابو طالب نے دیکھ لیا اور پوچھا: کیا کر رہے ہو؟ پھر منع نہ کیا بلکہ کہا کہ

---

۲) احمد بن یحییٰ البلاذری، انساب الاشراف طمصر ج ۱، ف ۳۲۰

۳) محمد ابن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک ص ۱۱۶۱

آنحضرت ﷺ اچھی بات کا مشورہ ہی دیتے ہیں برابر یہی کیا کرو۔[۴] دوسری روایت (طبری ۲/۱۱۷۱ تا ۱۱۷۳) کے مطابق ایک دن آنحضرت ﷺ نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کر کے تبلیغ کی اور کہا کہ کون ہے جو مسلمان ہو؟ وہ میرا بھائی، وصی (نافذ کنندۂ وصیت) اور تم میں میرا خلیفہ (نائب) ہو گا۔"۔۔۔ النسائی فی الخصائص کی روایت میں، جیسا کہ ازالۃ الخفا ۲-۲۵۲ میں نقل ہوا ہے، الفاظ یہ تھے: "میرا بھائی اور صاحب (رفیق) اور تم میں میرا وارث ہو گا" ۔۔۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں: کسی نے بھی اسے قبول کرنا نہ چاہا۔ میں اس وقت سب سے کم سن تھا، میری آنکھوں میں (آشوب چشم کی وجہ سے) زیادہ گندگی تھی اور میری پنڈلیاں سب سے زیادہ نحیف تھیں۔ میں اٹھا اور بولا: "میں، اے اللہ کے نبیؐ، اس کام میں آپ ﷺ کا وزیر (بوجھ اٹھانے میں شریک) رہوں گا۔" اس پر حضور ﷺ نے میری گردن پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: "یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔ اس لیے اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔" اس پر حاضرین ہنسنے لگے اور کہا: "ابو طالب! (مبارک ہو)، محمد (ﷺ) کہہ رہا ہے کہ اب تمہیں بھی اپنے بیٹے کی بات سننی اور ماننی ہو گی۔ اس طنز کی وجہ سے ابو طالب نے اسلام قبول نہ کیا۔ اس روایت میں ایک تو الفاظ کو اصطلاحی نہیں بلکہ لغوی معنوں میں لینا چاہیے کہ ابھی اصطلاحیں وجود میں نہ آئی تھیں۔ دوسرے وصی اور موصیٰ لہ ایک نہیں ہوتے، آنحضرت ﷺ کا موصیٰ لہ کون تھا، معلوم نہیں، اور تیسرے حضرت علیؓ فوراً خلیفہ بن گئے، یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات پر خلیفہ بنیں۔ اس بنا پر ہم نے "جانشین" کی جگہ "نائب" ترجمہ کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ خلافت یا نیابت اس وقت کی کارکردگی کے مطابق ہو گی، اور اس وقت تک سلطنت اور حکومت کا سوال نہ تھا، بلکہ روحانی تعلیم تھی، اور روحانی امور کی مملکت میں وہ رسول اللہ ﷺ کے خلیفۂ بلا فصل سنیوں کے ہاں بھی ہیں۔

مواخات قبل ہجرت میں آنحضرت ﷺ نے علیؓ کو اپنا بھائی بنایا۔ جس طرح ابو بکرؓ کو عمرؓ کا۔ ہجرت کے بعد علیؓ کو سہل بن حنیفؓ اوسی انصاری کا بھائی بنایا گیا، اور ان دونوں میں دوستی ہمیشہ برقرار رہی۔ چنانچہ علیؓ جب خلافت کے

---

۴) احمد بن یحیی البلاذری، انساب الاشراف ف ۲۱۸

لیے کوفہ روانہ ہوئے تو سہل ہی کو مدینہ کا گورنر بنایا، پھر شام کا گورنر نامزد کر کے دمشق پر قبضہ کرنے کا حکم دیا، مگر معاویہؓ کی فوجوں نے پیش قدمی کی اور ان کو تبوک سے پسپا کر دیا۔[۵] پھر جنگ صفین میں یہ علیؓ کی فوج میں نظر آتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کے پاس مشرکین مکہ کی جو امانتیں تھیں، وہ مناظر احسن گیلانی کے گمان میں مضاربت کے اصول پر نفع آور تجارتی حصہ داری سے متعلق ہوں گی۔ بہر حال جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے تو یہ امانتیں واپس کرنے کا کام حضرت علیؓ ہی کے سپرد کیا اور کہا کہ تین دن بعد یہ مالکوں کو واپس پہنچا کر مدینہ آجاؤ۔ آنحضرت ﷺ کی یہ امانت داری مخالفین کو بری لگتی ہے چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے جدید ایڈیشن میں مادۂ علی میں کوئی وجہ بتائے بغیر لکھا ہے: "یہ مختلف وجوہ سے غیر قرین قیاس ہے۔"

ایک عجیب واقعہ نسائی میں بلا تاریخ ہے۔[۶] اسے ہجرت کی رات ہی کا واقعہ قرار دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ علیؓ اور رسول اللہ ﷺ رات کو کعبہ گئے اور علیؓ کو آنحضرت ﷺ نے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور علیؓ نے کعبہ کی چھت پر ایک تانبے کے مضبوط نصب شدہ بت کو اکھاڑ کر نیچے پھینک دیا اور وہ کچھ ٹوٹ بھی گیا، پھر دونوں چپکے سے تیز تیز وہاں سے واپس ہو گئے۔ کعبہ کی چھت پر ہبل نصب تھا، کیا وہی مراد ہے؟

ہجرت کے بعد صفر سنہ ۲ میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دختر فاطمہؓ سے نکاح کیا، رخصتی چند ماہ بعد ہوئی، بلاذری (انساب، مخطوطہ استانبول ۱- ۲۶۵) کے مطابق آپؓ کا حلیہ بی بی فاطمہؓ کو پسند نہ تھا تو آنحضرت ﷺ نے سفارش کی کہ وہ "اکثرھم علما و اعظمھم حلما"۔ کئی بچے ہوئے جن میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ ممتاز ہیں۔ ایک بیٹی ام کلثوم سے حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں نکاح کیا۔ ایک بار حضرت علیؓ نے ابو جہل کی نو مسلم بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو

---

۵) ابن کثیر دمشقی، البدایۃ والنہایۃ ۷-۲۲۷

۶) شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء ۲-۲۵۲

آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ فاطمہؓ کا دل دکھے گا۔ اس لیے بی بیؓ کی وفات تک وہ صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کرتے رہے۔ شروع میں گھر داماد رہے۔ بی بی فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ کے کمروں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی۔ اس میں ایک کھڑکی تھی جس سے رسول اکرم ﷺ اپنی لڑکیوں کو دیکھ اور ان سے بات چیت کر سکتے تھے۔ ام کلثومؓ کے حضرت عثمانؓ سے نکاح کے بعد فاطمہؓ وہاں تنہا رہ گئیں۔ پھر شوہر علیؓ بھی وہیں رہنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کے مکان کے سارے حجروں کی طرح، حضرت علیؓ کے کمرے کا بھی صرف ایک دروازہ تھا جو اولاً مسجد کے صحن میں کھلتا تھا، پھر تبدیلِ قبلہ کے بعد مسجد کی اولین صفوں اور مسقّف حصے میں کھلنے لگا۔ ان کمروں میں مقابل سمت میں دروازے نہ تھے۔ غسل وغیرہ کے لیے باہر نکلنا چاہتے تو مسجد میں سے گزرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ اسی لیے، تبدیل قبلہ پر لوگوں کے قبلے کی دیوار میں کھلنے والے سارے دروازے بند کرائے گئے، اور مسجد میں حالتِ جنابت میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا تو اس سے خود رسول اکرم ﷺ اور حضرت علیؓ کو مستثنیٰ کرنا ناگزیر تھا (جیسا کہ ترمذی وغیرہ نے صراحت کی ہے)۔ عورتیں اپنے کمروں کے اندر ٹب میں بیٹھ کر نہا لیا کرتیں (حضرت حفصہؓ کے ٹب میں خود رسول اللہ ﷺ کو مرض موت کے زمانے میں سات مختلف کنوؤں کے پانی سے نہلانا سب کو معلوم ہے)۔ بنی قنیقاع کے اخراج پر جب ان کے مکان خالی ہوئے تو ان میں سے ایک حضرت علیؓ کو دیا گیا۔ اور رسول اللہ ﷺ اپنے نواسوں اور ان کے والدین کو دیکھنے وہیں جایا کرتے تھے۔ (٧) تبدیلِ قبلہ کے بعد پبلک کے مسجد میں کھلنے والے جو دروازے بند کرائے گئے، وہ صرف قبلہ رخ دیوار میں معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ وفات نبویؐ سے عین قبل جب لوگوں کے دروازے مکرر بند کرائے گئے (اور ان میں سے حضرت ابو بکرؓ کا دروازہ مستثنیٰ کیا گیا)، تو ان دونوں واقعات میں تطبیق کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ پہلے حکم کو قبلہ رخ دیوار سے متعلق کیا جائے، اور دوسرے حکم کو باقی مسجد سے ورنہ پہلے حکم کے بعد نئے دروازے کھل نہ سکتے۔

---

٧) محمد بن اسماعیل البخاری، الصحیح – ٣٤-٤٩-٥ وغیرہ

حضرت علیؓ کی سوق بنی قنیقاع میں منتقلی کے بعد ان کا تخلیہ کردہ کمرہ رسول اکرم ﷺ کے لیے زور یعنی ملاقات گاہ بن گیا، جیسا کہ سمہودی میں ہے۔ یہ حضرت عائشہؓ کے کمرے سے متصل تھا اور شروع میں وہاں رسول اللہ ﷺ کی لڑکیاں رہتی تھیں۔

سنہ ۲ ھ کے غزوۂ بدر میں انہوں نے سفید صوف کا طرہ لگایا تھا (ابن سعد ۳-۱، ص ۱۴)۔ اس موقع پر اور ہر دیگر جنگ میں بہ کثرت دشمنوں کو تہ تیغ کیا۔ تبوک میں ان کو ساتھ لینے کی جگہ آنحضرت ﷺ نے انہیں مدینے میں نائب کی حیثیت سے چھوڑا۔ لوگوں (غالباً منافقوں) نے طنز کیا کہ تم اچھے سپاہی نہیں ہو اس لیے تمہیں عورتوں بچوں میں چھوڑا ہے۔ یہ بھاگے ہوئے جا کر آنحضرت ﷺ سے کیمپ میں گلہ کرتے ہیں تو حضور ﷺ فرماتے ہیں: "کیا تمہیں پسند نہیں کہ میرے پاس تمہارا وہی رتبہ ہو جو حضرت ہارونؑ کا حضرت موسیٰؑ کے پاس تھا؟ بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں"[۸] (کہ کوہ طور کے اعتکاف کے زمانے میں وہ بنی اسرائیل میں نائب بن کر رہے تھے)۔ مگر راز کی وجہ جو آنحضرت ﷺ ان سے پبلک میں بتا نہیں سکتے تھے کچھ اور معلوم ہوتی ہے۔ مشہور منافق ابن ابی کا برتاؤ ان دنوں بہت مشتبہ ہو گیا تھا حتیٰ کہ وہ تبوک کی مہم میں کچھ دور شریک رہ کر مدینہ واپس آ گیا تھا؛ جیسا کہ مسعودی نے (التنبیہ والاشراف میں) صراحت کی ہے۔ ان حالات میں پیش بندی کے لیے ضرورت تھی کہ مدینہ میں ایک جری اور قابل اعتماد فوجی افسر موجود رہے۔ تبوک سے پہلے غزوۂ خیبر میں انہوں نے ایک مقامی مستحکم قلعہ قصر مرحب کو بھی فتح کیا۔ یہ اب تک معروف اور دشوار گزار پہاڑی کی چوٹی پر ہے، نیچے سے اوپر چڑھنے والوں کو دشمن آسانی سے پتھراؤ کر سکتا تھا۔ علیؓ نے ایک بڑے دروازے کو چھتری یا سپر بنا کر پیش قدمی جاری رکھی اور کامیاب رہے۔ خیبر کی مدد کے لیے فدک والے آرہے تھے۔ ان کو روکنے کے لیے بھی علیؓ کو بھیجا گیا لیکن بلاذری (انساب، ط مصر، ف ۷۹۳) نے جو یہ واقعہ بیان کرتا ہے لکھا ہے کہ غزوۂ خیبر محرم میں ہوا اور فدک کی مہم شعبان میں ہوئی۔۔۔ غالباً یہ وقت شماری کے دو مختلف مروجہ

---

۸) ایضاً ۶۴-۸-۷۸-۵

طریقوں کا نتیجہ ہے کہ ایک میں اہلِ مکہ کے کبیسے کا خیال رکھا جاتا تھا اور دوسری خالص قمری تقویم ہوتی تھی۔ اسی زمانے میں ہر قل کو بھیجے ہوئے مکتوب نبویؐ میں بھی یہی فرق ہے کہ سفیر محرم ۷ میں جاتا اور چھ ماہ قبل جمادی الآخرۃ سنہ ۶ میں واپس آتا ہے۔ (اس بحث اور تقویمی حل کے لیے دیکھیے میری فرانسیسی سیرت نبویؐ میں باب مکتوب نبویؐ بنام ہر قل)۔

فتح مکہ کی تیاری کے زمانے میں حاطب بن ابی بلتعہ نے بھولے پن سے اہل مکہ کو اطلاع بھیجی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے نامہ بر عورت کے تعاقب کے لیے حضرت علیؓ کو بھیجا۔ فتح مکہ کے بعد بنی خذیمہ میں خالدؓ بن ولید نے غلطی سے کچھ خونریزی کی تو تلافی کے لیے حضرت علیؓ ہی بھیجے گئے۔ قبیلہ ٔطئی میں پیشہ ور لٹیرے بہت تھے۔ ابن سعد وغیرہ حضرت علیؓ کی سرکردگی میں ایک مہم کا ذکر کرتے ہیں جو تبوک کے غزوے سے پہلے بھیجی گئی تھی اور جس میں انہوں نے وہاں کے بت خانے کے چڑھاوے بھی بطور مال غنیمت لا کر آنحضرت ﷺ کو پیش کیے تھے۔ نہ اس کی ٹھیک تاریخ معلوم ہے اور نہ وجوہ واسباب۔

سنہ ۹ ھجری میں نجران کے عیسائی مدینہ آئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں مباہلہ کرنے کو کہا کہ "جھوٹے اور اس کے کنبے پر خدا کی لعنت ہو"۔ یہ ام المومنین ام سلمہؓ کے مکان میں ہوا۔ اس میں حضرت علیؓ بھی شریک کیے گئے مگر نجرانی کترا گئے۔

سنہ ۹ھ میں حج کے موقع پر اس اعلان کا فریضہ حضرت علیؓ کے سپرد کیا گیا تھا کہ اب آئندہ غیر مسلم کعبہ کے حج کے لیے نہ آسکیں گے، اور یہ کہ جن غیر مسلم قبائل سے آنحضرت ﷺ نے غیر معین مدت کے لیے حلیفی کے معاہدے کیے تھے وہ چار ماہ بعد ختم سمجھے جائیں گے۔ اس سے ان قبائل کو تشویش ہوئی کہ مزید دیر کیے بغیر مسلمان ہو جائیں۔

رمضان سنہ ۱۰ھ میں انہیں یمن بھیجا گیا۔ وہاں کے لوگوں نے جنگ نہ کی اور ان کی تبلیغ سے سارا قبیلہ ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا، اور زکوٰۃ بھی دی۔[۹] وہاں سے فارغ ہو کر یہ مکہ گئے اور حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔ یمن سے واپسی میں راستے میں انہوں نے ساتھیوں کو ناراض کر دیا تھا (ان ساتھیوں نے زکوٰۃ کے سرکاری کپڑوں کو لے کر حج کا احرام بنایا تھا اور علیؓ نے وہ کپڑے واپس کرنے کا حکم دیا تھا)۔ آنحضرت ﷺ سے شکایت ہوئی تو حضور ﷺ نے مدینہ واپسی کے زمانے میں رابغ کے قریب غدیر خم کے پڑاؤ کے وقت علیؓ کی تائید کی اور بتایا کہ سرکاری مال میں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔ اور اسی خطبے میں "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کا مشہور جملہ بھی فرمایا تھا (جس کے دستوری مفہوم کے لیے دیکھو میرا مضمون (Constitutional Problems in Early Islam)۔ شیعہ مکتب خیال اس جملے کو ولی عہدی سمجھتا ہے لیکن خود حضرت علیؓ کا یہ خیال نظر نہیں آتا۔ نہ صرف خلفائے ثلاثہ کے انتخاب کے وقت بلکہ اس وقت بھی نہیں جب وہ حضرت معاویہؓ سے اپنی خلافت جتانے کے لیے جنگ کر رہے تھے۔ اس زمانے میں ان کی حضرت معاویہؓ سے جو خط و کتابت ہوئی وہ شیعی کتاب "**نہج البلاغۃ للشریف رضی**" میں محفوظ ہے۔ ان خطوط میں حضرت علیؓ اپنی فضیلت اور ترجیح کے سارے استدلال بیان کرتے ہیں بجز اس کے کہ آنحضرت ﷺ نے آپ کو ولی عہد نامزد کیا ہو۔

غزوات میں اگر یہ علمبردار ہوتے تو "اثنائے سفر میں میسرہ العبسی اسے اٹھائے لے جاتے اور جب معرکہ شروع ہوتا تو اس وقت علیؓ اسے لے لیتے"۔[۱۰] کہتے ہیں کہ ایک دن یہ ایک اہم سرکاری کام میں مشغول تھے اور آفتاب غروب ہونے لگا تو آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی اور آفتاب رک گیا اور علیؓ کی نماز قضا نہ ہوئی۔

---

۹) احمد بن یحییٰ البلاذری، انساب الاشراف ج ا ف ۸۲۶

۱۰) ایضاً مخطوطہ استانبول ا-۶-۳۷

خلافتِ صدیقیؓ میں:

حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب کے وقت یہ سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود نہیں تھے۔ آنحضرت ﷺ کے دفن کے بعد کی بیعتِ عامہ میں بھی وہ شریک نہ ہوئے، اور بعد میں وجہ بتائی کہ قرآن جمع کرنے میں مشغول تھا(۱۱) مگر اس کی تفصیل معلوم نہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کب کی۔ بیعتِ عامہ کے تھوڑی دیر بعد یا چھ ماہ بعد(۱۲) لیکن یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابو بکرؓ کی بیعتِ عامہ پر جب بی بی فاطمہؓ اپنے دادا حضرت عباسؓ کے ہمراہ اور یقیناً حضرت علیؓ کی اجازت سے ان کے پاس جاکر گفتگو کرتی ہیں تو یہ نہیں کہتیں کہ خلافت کا حق میرے شوہر کو ہے، بلکہ ان سے آنحضرت ﷺ کی میراث میں اپنا حصہ اور فدک کی جاگیر مانگتی ہیں، یعنی وہ اور عباسؓ اور علیؓ سب حضرت ابو بکرؓ کو جائز خلیفہ اور مختارِ کل تسلیم کرتے ہیں اور اسی حیثیت میں ان سے اپنے مقدمے کے لیے رجوع کرتے ہیں۔(۱۳) طبری اور ابن کثیر کے مطابق بی بیؓ نے ابو بکرؓ سے خواہش یہ کی کہ ان کے شوہر کو فدک کا ناظر بنائیں۔ ابو الحسین المعتزلی نے لکھا ہے: "مگر صحیح یہ ہے کہ بی بیؓ نے فدک میراث نہیں بلکہ بطور نحلہ یعنی ہبہ مانگا تھا"۔(۱۴) بخاریؒ نے لکھا ہے کہ بی بیؓ نے ابو بکرؓ سے آنحضرت ﷺ کے اس مال میں میراث مانگی جو بطور فی (فے) صرف خاص حضور ﷺ کے تصرف میں تھا۔۔۔ یعنی خیبر، فدک اور خود مدینہ کی زمینیں۔۔۔ جہاں تک مدینہ کی اراضی کا تعلق ہے وہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں علیؓ اور عباسؓ کے مشترکہ تصرف میں دے دیں لیکن خیبر و فدک انہوں نے ان کو نہ دیا اور کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے صدقہ یعنی سرکاری مصارف کے لیے تھے جو حضور ﷺ کے وقت بوقت پیش آنے والے

---

۱۱) ایضاً۔ ف ۱۱۸۷، ۱۱۸۴

۱۲) ایضاً۔ ۱۱۸۳ تا ۱۱۸۶

۱۳) تاریخ الامم والملوک ص ۱۸۲۵

۱۴) ابو الحسین المعتزلی: کتاب المعتمد مطبع بیروت ۲-۶۴۶

اخراجات اور اتفاقی مصارف کے لیے تھے اور حضور ﷺ نے یہ اس شخص کے لیے دیے ہیں جو آپ کے بعد ولی الامر (خلیفہ) بنے۔ بہر حال ابو بکرؓ کا جواب کہ حضور ﷺ اپنی زندگی میں آپ لوگوں کو جو دیتے تھے میں بے کم و کاست جاری رکھوں گا، بی بیؓ کو ناگوار گزرا۔ چند ماہ بعد جب بی بیؓ کی وفات ہوئی تو علیؓ نے ابو بکرؓ کو خبر کیے بغیر راتوں رات دفن کر دیا۔

خلافت صدیقی میں علیؓ، ابو بکرؓ کے ساتھ شروع سے پورا تعاون کرتے رہے، اور مشوروں میں چاہے سیاسی اور نظم و نسقی ہوں یا فقہی اور علمی، پورے شریک رہے۔ مرتدین کے مدینہ پر یورش کرنے کا خطرہ پیدا ہوا تو ابو بکرؓ نے علیؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، اور عبد اللہ بن مسعودؓ کو مدینے کے بیرون شہر سے آنے کے راستوں کی حفاظت کرنے بھیجا تھا۔[۱۵] ایک مرتد سردار ربیعہ بن بجیر التغلبی کو جب خالد بن ولیدؓ نے شکست دی تو اس کی بیٹی کو لونڈی بنا کر مدینہ بھیجا۔ یہ حضرت علیؓ نے خریدی اور اسے ام الولد بنایا۔[۱۶]

خلافتِ فاروقیؓ میں:

ابن سعد (۳-۱، ص ۱۹۶) کے مطابق علیؓ اور طلحہؓ نے ابو بکرؓ سے ان کے بستر مرگ پر، گمنام شخص کی بطور ولی عہد بیعت لینے پر آکر پوچھا تھا کہ کسے نامزد کیا ہے؟ کہا: عمرؓ کو۔ دونوں نے کہا: خدا کو کیا جواب دو گے؟ کہا: کیا تم مجھے خدا سے ڈراتے ہو؟ میں اللہ اور عمرؓ کو تم دونوں سے زیادہ جانتا ہوں، اور میں اللہ سے کہوں گا کہ میں نے تیرے سب سے بہتر بندے کو خلیفہ نامزد کیا۔

---

۱۵) تاریخ الامم والملوک ص ۱۸۷۴

۱۶) ایضاً ص ۱۹۷۷، ۲۰۷۲

مگر خلیفہ بننے کے بعد عمرؓ کا برتاؤ ایسا رہا کہ کسی کو شکایت نہ رہی۔ دونوں ایک دوسرے کی انتہائی عزت کرتے تھے، اور علیؓ نے اپنی چھوٹی بیٹی ام کلثوم بھی عمرؓ سے بیاہ دی۔

عمرؓ ان کی رائے کی بہت قدر کیا کرتے تھے اور ایک آدھ بار تو فرطِ تعریف سے کہا: "علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا"۔[۱۷] اسلامی تقویم کو ہجرت سے شروع کرنے کا مشورہ علیؓ ہی نے دیا تھا۔[۱۸] شراب نوشی کی سزا بڑھا کر اسّی درے کرنے میں علیؓ کا مشورہ شریک تھا۔[۱۹] اہل قومس اور طبرستان وغیرہ نے جوابی حملہ کیا تو عمرؓ کی مشاورت پر علیؓ نے کہا: "ساری شامی فوج ادھر بھیجیں تو قیصر حملہ کر دے گا، ساری یمنی فوج بھیجیں تو حبشہ حملہ کر دے گا، اس لیے ہر جگہ سے وہاں کی ایک تہائی فوج بطور کمک بھیجی جائے"۔ عمرؓ نے کہا: "میری بھی یہی رائے تھی اور میں اوروں کا اتفاق چاہتا تھا"۔[۲۰] بنی تغلب کے عیسائیوں سے لی جانے والی رقم کو جزیہ کی جگہ صدقہ کا نام بھی بمشورہ علیؓ دیا گیا۔[۲۱] مگر اختلاف بھی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہر سال کی آمدنی اسی سال ختم کر دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کی رائے پسند کرکے دیوان قائم کیا۔[۲۲] دیوان بننے لگا تو علیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا: "آپ اپنے آپ سے شروع کریں"، مگر عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے خاندان اور حضرت عباس سے شروع کیا۔[۲۳]

---

۱۷) ابن عبد البر، الاستعاب نمبر ۲۰۱۵

۱۸) دیکھیے میرا مضمون the Nasi مجلہ ہسٹاریکل سوسائٹی آف پاکستان

۱۹) ازالۃ الخفا ۲-۱۷۷

۲۰) تاریخ الامم والملوک ص ۲۶۱۳

۲۱) ایضاً ص ۲۵۱۰

۲۲) ایضاً ص ۲۷۵۰

۲۳) ایضاً ۲۴۱۲

خلافت عمریؓ میں علیؓ مدینہ کے قاضی رہے۔[۲۴] اپنے بیرون عرب سفروں میں عمرؓ نے کئی بار علیؓ کو نائب بنا کر چھوڑا۔[۲۵] عمرؓ نے ان کو سپہ سالار بنا کر شام بھیجنا چاہا مگر خود انہوں نے پسند نہ کیا۔

خلافتِ عثمانی میں:

حضرت عمرؓ کو قاتل نے مہلک طور پر زخمی کیا تو انہوں نے اپنے جانشین کو خود معین کرنے کی جگہ ایک شوریٰ (کمیٹی) کے سپرد کیا کہ اپنے ہی میں سے کسی کا انتخاب کرلے۔ اس وقت عشرہ مبشرہ میں سے سات زندہ تھے جن میں سے سعید بن زیدؓ حضرت عمرؓ کے رشتہ دار تھے اس لیے وفورِ تقویٰ سے ان کو شوریٰ سے خارج رکھا۔ مابقی چھ رائیں اگر آدھوں آدھ بٹ جائیں تو گتھی دور کرنے کے لیے اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ کو ساتواں رکن اس صراحت سے بنایا کہ وہ صرف گتھی کی صورت میں رائے دیں، اور ان کی رائے بھی معین کر دی کہ اس طرف ہو جدھر عبد الرحمٰن بن عوفؓ ہوں۔

شوریٰ میں اولاً سوال یہ کیا گیا کہ کون امیدوار نہیں ہے؟ ایسے چار شخص نکلے۔ اس پر امیدواروں سے کہا گیا کہ کسی ایک غیر امیدوار کو پنچ بنالیں اور فیصلہ اس پر چھوڑ دیں۔ اس کے لیے عبد الرحمٰن بن عوفؓ چنے گئے اور طبری کے الفاظ میں علیؓ اور عثمانؓ نے حلف لے کر کہا کہ ہم اس شخص کی بیعت کریں گے جس کی تم بیعت کرو حتیٰ کہ اگر تمہارا ایک ہاتھ تمہارے ہی دوسرے ہاتھ کی بیعت کیوں نہ کرے۔ مگر عبد الرحمٰنؓ نے اس سے کوئی بے جا فائدہ نہ اٹھایا بلکہ کئی دن شہر میں دورہ کیا، مقامی اور مسافر، بوڑھے اور بچے۔ مرد اور عورت ہر کسی سے رائے پوچھی اور سوائے دو افراد کے سارے لوگوں نے عثمانؓ کو ترجیح دی۔ پھر انہوں نے خلوت میں عثمانؓ اور علیؓ سے بھی اقرار لیا کہ اگر اس کا انتخاب نہ ہو تو وہ فوراً منتخبہ شخص کی بیعت کرلے گا۔ آخر میں مسجدِ نبویؐ میں مجمع عام میں منبر پر سے علیؓ سے پوچھا: "اگر تمہارا انتخاب کروں تو

---

۲۴) ایضاً ص ۲۲۱۲

۲۵) ایضاً ص ۲۵۲۲

کیا قرآن و حدیث اور نظائر ابو بکرؓ و عمرؓ پر عمل کرو گے ؟ انہوں نے کہا: قرآن و حدیث پر بے شک لیکن ابو بکرؓ اور عمرؓ کے نظائر پر امکان کی حد تک۔ اسی سوال پر عثمانؓ نے غیر مشروط پر ہاں کہا۔ اس پر عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے انہیں کا انتخاب کیا، اور لوگ بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔[۲۶]

اس زمانے میں اولین مسئلہ عبید اللہ بن عمر کا تھا جنھوں نے اپنے باپ کے قتل کے سلسلے میں قاتل کے بعض ہم وطن (ایرانیوں) کو اس لیے قتل کر دیا تھا کہ ان کے ہتھیار مہیا کرنے اور شریکِ سازش ہونے کی اطلاع ملی تھی، مگر ایسے ایک شخص۔ جفینہ، کی ایک ننھی بچی کو بھی قتل کر دیا تھا، حضرت علیؓ نے قصاص کے لیے رائے دی۔[۲۷] مگر رائے عامہ کے دباؤ پر کہ کل عمرؓ قتل ہوئے اور آج ان کے بیٹے کو قتل کیا جا رہا ہے، عثمانؓ نے ان ایرانی مقتولوں کے رشتہ داروں کے اتفاق سے خون بہا پر مسئلہ ختم کیا، اور خون بہا اپنی جیب سے دے دیا۔

خلیفہ ہوتے ہی حضرت عثمانؓ نے "لوگوں کی تنخواہوں میں سالانہ ایک سو درہم اضافہ کرنے کا حکم دیا، اور صوبہ جاتی شہروں سے (بیعت کے لیے) مدینہ وفد بلائے اور ان کی ضیافت کی، اور سب سے پہلے انہیں نے اس عمل کا آغاز کیا"۔[۲۸] ابتدائی پانچ چھ سال ہر دلعزیزی کے تھے، وہ خزانہ سے کوئی تنخواہ نہیں لیتے تھے بلکہ داد و دہش ہی کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ پر اولین اعتراض حج کے زمانے میں منیٰ میں قصر کی جگہ کامل نماز پڑھنے پر ہوا۔ لوگوں کے کہنے پر حضرت علیؓ نے ان سے گفتگو کی مگر جواب سے وہ مطمئن نہ ہوئے۔[۲۹] ممکن ہے انہوں نے سہو اور بے خیالی میں چار رکعتیں پڑھا دی ہوں مگر انہوں نے کہا کہ ان کے اجتہاد میں وہ چار رکعت پڑھ سکتے ہیں۔

---

۲۶) البدایہ والنہایہ ۷-۱۴۶

۲۷) تاریخ الامم والملوک ص۲۷۹۶

۲۸) ایضاص۲۷۸۶

پھر حضرت ابو ذرؓ کا قصہ شروع ہوا۔ ان کی رائے تھی کہ ایک رات اور ایک دن سے زیادہ کا غذائی ذخیرہ گھر میں رکھنا حرام ہے، اور سونا اور چاندی بھی گھر میں رکھنا ناجائز ہے۔ مگر یہ لفظی تعمیل تھی کیونکہ تنخواہ ملتے ہی خود ابو ذرؓ دراھم اور دنانیر کو تانبے وغیرہ کے فلوس میں تبدیل کر لیتے تھے اور اس کو گھر میں رکھنے کو حرج نہ سمجھتے تھے۔ جب تک حضرت عمرؓ زندہ تھے، حضرت ابو ذرؓ چپ رہے مگر اب اپنی رائے کو شدّ و مدّ سے ظاہر کرنے لگے اور لوگوں نے شکایتیں کیں تو مجبوراً ان کو حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ صحرا میں زبدہ نامی مقام پر رہو اور وہاں سے کہیں نہ جاؤ۔ ان کے مدینہ سے جاتے وقت حضرت علیؓ نے اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ ان کو وداع کرنے کے لیے مشایعت کی، جو حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر محمول کی جاسکتی ہے۔

سنہ ۳۴ھ میں ابن سبا کی سازش شروع ہوئی، اسی یہودی نے اس زمانے میں اسلام قبول کیا تھا پھر شہر شہر پھر کر کارستانی کی تنظیم کی،[۳۰] جو یہ تھی: ہر شہر سے دوسرے شہر کے ایجنٹ کو خط لکھا جائے کہ ہمارے ہاں اسلام باقی نہیں، گورنر علی الاعلان بدکاری کرتے ہیں، نماز کوئی نہیں پڑھتا وغیرہ۔ یہ ایجنٹ شہر کی کسی چھوٹی مسجد میں ایسے خطوط وقتاً فوقتاً سب کو پڑھ کر سناتا۔ سارے لوگ کہتے: الحمد للہ ہمارے شہر میں ایسا بالکل نہیں ہے۔ اور خیال کرتے کہ ساری دنیائے اسلام بگڑ گئی ہے، صرف ان کا شہر اچھا ہے اور ہر جگہ ایسا ہی ہوتا۔ رفتہ رفتہ حضرت عثمانؓ تک اطلاع آئی تو انہوں نے صحابہؓ کے مشورے سے ایک غیر جانبدار کمیشن بھیجا کہ ساری مملکت کا دورہ کر کے تحقیقات کرے۔ اس کا پول تو کھل گیا لیکن کچھ بھولے لوگ کمیشن کو سرکاری کمیشن سمجھ کر اپنی غلط فہمیوں میں غلطاں رہے تو حیرت کی جگہ نہیں، خاص کر جب یہ نکتہ ابن سبا کے ایجنٹ ہر وقت یاد دلاتے رہتے۔ چنانچہ کمیشن کے ایک رکن عمار بن یاسرؓ ابن سبا اور اس کے ساتھیوں کی

---

۲۹) ایضاً ص ۲۸۳۳ تا ۲۹۳۵

۳۰) تاریخ الامم والملوک ص ۲۹۴۲

شہادت کی بناپر مصر کے گورنر کے متعلق مطمئن نہ ہو سکے۔ مزید بر آں کمیشن کا بیان مدینے میں شائع ہوا، بہ ظاہر اضلاع کو اس کی اطلاع نہ بھیجی گئی اور وہاں بدگمانیاں برقرار رہیں۔

ایک مرتبہ شاکیوں نے حضرت معاویہؓ کے خلاف الزام لگا کر حضرت علیؓ کو گفتگو کے لیے مامور کیا۔ وہاں بھی بے بنیاد باتیں تھیں۔[۳۱] ان سازشیوں نے علیؓ، زبیرؓ، طلحہؓ اور بی بی عائشہؓ کے نام سے سارے اضلاع میں خط بھیجے کہ عثمانؓ کے خلاف مسلح بغاوت کرو۔[۳۲] بی بی عائشہؓ کے متعلق مسروق کی ایسی ہی روایت طبری کے ہاں بھی ہے۔

اب سنہ ۳۵ھ میں سبائیہ لوگوں نے خانہ جنگی کی کوشش کی۔ اس کے لیے بصرے کے لوگ طلحہؓ کے پاس، کوفی لوگ زبیرؓ کے پاس اور مصری لوگ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ تم عثمانؓ سے بہتر ہو۔ ہماری بیعت قبول کرو۔ ہم تمہیں خلافت دلاتے ہیں۔ ان تینوں نے ظاہر ہے دھتکار کر ان کو ان کے اپنے اپنے ملک کو واپس جانے کا مشورہ دیا۔[۳۳] مسلمان مؤرخ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے رہے ہیں کہ سبائیہ میں پھوٹ تھی، لیکن ہماری رائے میں ابن سبا کا ماسٹر پلان ہی یہ تھا، اور وہ چاہتا تھا کہ نہ صرف عثمانؓ قتل ہوں بلکہ اس کے بعد طلحہؓ، زبیرؓ اور علیؓ میں بھی خانہ جنگیاں ہوں۔ مذکورہ بصری، کوفی اور مصری وفد مدینہ سے روانہ تو ہو گئے لیکن تھوڑی دور جا کر پھر واپس آئے اور کہا کہ ہمارے قتل کے احکام سرکاری ڈاکیوں کے پاس سے بر آمد ہوئے ہیں۔[۳۴] حضرت علیؓ سے ان کی خفیہ گفتگو ہوئی تھی، ان کے نام حضرت کو کیسے معلوم ہو گئے، اور پھر سارے ہی ڈاک لے جانے والے کیسے پکڑے گئے؟

---

۳۱) ایضاً ص ۲۹۳۷

۳۲) (ابن سعد ۱-۳۳ ص ۱۵۷ ابن کثیر ۷-۱۷۵) بی بی عائشہؓ سے متعلق مسروق کی ایسی ہی روایت طبری کے ہاں بھی ہے۔

۳۳) تاریخ الامم والملوک ص ۲۹۵۵

۳۴) ایضاً ص ۲۹۵۸

ابن حجر (المطالب العالیہ، نمبر ۴۴۳۸) نے ابن راھویہ کی یہ اہم اور معنی خیز روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصری گورنر کو بدلنے پر رضامندی ظاہر کی تو مصری وفد خوش خوش واپس ہو گیا، لیکن وہ مصر کے راستے میں تھا تو ایک اونٹ سوار (راکب) ملا جو ان کے قریب سے گزرتا پھر ان کو چھوڑ کر دور ہو جاتا، پھر مکرر ان کی طرف آتا اور کچھ دیر بعد انہیں چھوڑ کر دور چلا جاتا، اور مدنیوں کو گالیاں دیتا۔ مدنیوں نے کہا: تجھے کیا ہو گیا ہے؟ تجھے کوئی خاص کام ہونا چاہیے، تیرا کیا حال ہے؟ کہا: میں امیر المومنین کا خط مصر کے گورنر کے نام لے جارہا ہوں۔ وفد نے اس کی تلاشی لی تو حضرت عثمانؓ کی طرف سے ان کی مہر لگا ہوا ایک خط مصر کے گورنر کے نام بر آمد ہوا کہ ان مدنی لوگوں کو سولی چڑھائے، یا قتل کرے، یا ان کا مختلف جہتوں کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹے۔ یہ وفد مدینہ آکر حضرت علیؓ کے پاس گیا اور کہا: دیکھا؟ یہ اللہ کا دشمن (عثمانؓ) ہمارے متعلق فلاں فلاں بات لکھتا ہے۔ اب اس کا خون حلال ہو گیا۔ اٹھئے اور ہمارے ساتھ (اسے قتل کرنے) چلیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: "خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ عثمانؓ کے خلاف نہیں چلوں گا"۔ انہوں نے کہا: "ایسا ہے تو پھر آپ نے خط لکھ کر ہمیں کیوں بلایا؟" فرمایا: "خدا کی قسم، میں نے تمہیں کبھی کوئی خط نہیں لکھا۔" اب وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

مصری گورنر کے خلاف شورش سب سے پر زور تھی، کہ ابن سبا مصر ہی میں رہتا تھا۔ سازش سے ناواقف خلیفہ نے خیال کیا کہ عوام کو ٹھنڈا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی لیے شورشیوں ہی سے پوچھ کر محمد بن ابو بکر (جن کی نامناسب حرکتوں کے باعث ان کی بہن ام المومنین عائشہؓ انہیں سخت نفرت سے دیکھتی تھیں)، مصر کا گورنر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے راستے میں ہی اس سرکاری ڈاکیے کو پکڑا، اور اس کے پاس سے جو خط بر آمد کیا اس میں ان کی مصر آمد پر قتل کا حکم پایا گیا۔[۳۵] سیوطی نے تدریب الراوی (ص ۱۵۱) میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں حروف پر نقطوں کا زیادہ رواج نہ تھا، اور حسب دستور مصر کے گورنر کو پیشگی آگاہ کیا کہ ایک نیا گورنر آرہا ہے "فَاِذا جاءکم فاقبلوہ" (جب وہ وہاں آئے تو اس

---

۳۵) ایضاً ص ۲۹۶۴

کو قبول کرو)، لیکن نقطے نہ ہونے سے اسے ”فاقتلوہ“ (اسے قتل کر ڈالو) بھی پڑھا جا سکتا تھا۔ اور محمد بن ابو بکر ایسا ہی پڑھ کر مدینہ واپس آئے اور شہر میں حضرت عثمانؓ کو بدنام کر کے ان کے خلاف تن من دھن سے کوشش میں لگ گئے۔ طبری نے لکھا ہے کہ سارے مدینہ میں صرف تین شخص حضرت عثمانؓ کے مخالف تھے۔ محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی خزیفہ اور عمار بن یاسرؓ۔ باغی (مصری) انہیں سے سازشیں کرتے رہے۔ (محمد بن ابی بکر کی غلط فہمی کی وجہ ہم ابھی اوپر لکھ چکے ہیں۔ محمد بن ابی حذیفہ کو یتیم ہونے کے باعث حضرت عثمانؓ نے بڑی محبت سے پرورش کیا تھا۔ جوانی پر اس نے گورنری مانگی۔ حضرت عثمانؓ نے ناموزوں پا کر انکار کیا۔ اس پر یہ ناشکرا ان کی جان کا دشمن ہو گیا۔ عمار بن یاسرؓ جب مصر سے ابن سبا سے متاثر ہو کر آئے تو ایک بار حضرت عثمانؓ کے غلاموں نے ان کو مار پیٹ کی تھی اور اسے وہ کبھی بھول نہ سکے)۔ بہر حال مصری باغی اب مدینہ میں گھس آئے اور مسجد نبویؐ پر قبضہ کر لیا۔[۳۶] ایک دن حضرت عثمانؓ جمعہ کا خطبہ دینے لگے تو ان لوگوں نے ان پر پتھراؤ کیا اور غشی کی حالت میں ان کو گھر لے جایا گیا۔[۳۷] قبضۂ مسجد کے بیس دن بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ کو مسجد میں آنے اور نماز پڑھانے سے بھی روک دیا اور پھر باغیوں کا سردار الغافقی (جو غالباً یہودی النسل ہی تھا، کیونکہ اس نے قرآن مجید کو لات ماری تھی، دیکھو نیچے) امامت کرنے لگا۔[۳۸] امام حسنؓ، زید بن ثابتؓ وغیرہ کئی لوگوں نے ان باغیوں سے جنگ کرنی شروع کی تو حضرت عثمانؓ نے اپنے مکان کے چھجے میں سے ان کو قسمیں دے کر ان کے گھروں کو واپس بھیجا۔[۳۹] حضرت عثمانؓ کی مدد کو ام المومنین ام حبیبہؓ آئیں تو قریب تھا کہ وہ مار ڈالی جاتیں۔ بی بی عائشہؓ نے اپنے بھائی محمد کو لعنت ملامت کر کے واپس کرنا چاہا مگر اس نے نہ مانا۔ حضرت علیؓ بھی آکر باغیوں کو سمجھانے

---

۳۶) ایضاً ۲۹۶۰

۳۷) ایضاً ۲۹۶۱

۳۸) ایضاً ۲۹۶۲

۳۹) ایضاً ۲۸۶۱

لگے، مگر کسی نے ان کی بات نہ مانی۔[۴۰] اس صورتحال پر طلحہؓ اور زبیرؓ گھبرا کر خانہ نشین ہوگئے۔ محصور ہونے کے باوجود حضرت عثمانؓ [۴۱] نے نہ چاہا کہ مدینہ کے لوگ حج کو نہ جائیں بلکہ اصرار کر کے ابن عباسؓ کو امیر الحج بنا کر بہت سے باشندوں اور امہات المومنینؓ کے ساتھ مکہ بھجوایا۔[۴۲] (طبری ص ۱۱-۳) حضرت عثمانؓ کا گھر مضبوط و مستحکم تھا، اور اس کا دروازہ توڑا نہ جا سکا تو اسے اور چھجے کو باغیوں نے آگ لگا کر منہدم کیا، پھر اندر گھسے۔ حضرت عثمانؓ قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے۔ عافقی نے قرآن مجید کو لات ماری[۴۳] اور معصوم خلیفہ کو شہید کر دیا۔

قتل کے بعد بھی دشواریاں کم نہ ہوئیں۔ عثمانؓ کو اسلامی قبرستان جنت البقیع میں دفن نہ کرنے دیا گیا اور کہا گیا کہ ان کو غیر مسلموں کے قبرستان میں دفنایا جائے۔ آخر مشکل سے جنت البقیع کے باہر ایک سادہ زمین میں ان کو دفن کیا جا سکا جس میں حضرت علیؓ نے بھی مدد دی۔ اموی خلافت کے زمانے میں وہ مقام جنت البقیع میں داخل کر دیا گیا۔

خلافتِ علیؓ:

باغیوں نے نوے سالہ اور روزہ دار حضرت عثمانؓ کو تلاوت قرآن کرتے وقت شہید تو کر دیا لیکن رائے عامہ کے رد عمل سے گھبرائے اور چاہا کہ کسی طاقتور شخصیت کے پیچھے اپنے کو چھپائیں۔ سب سے ممتاز حضرت علیؓ تھے۔ پہلے وہ انہی کے پاس آئے لیکن وہ روپوش ہونے کی کوشش کرتے رہے۔ یہی حال طلحہؓ اور زبیرؓ کا تھا۔ اس پر وہ سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے قطعاً انکار کیا۔ پھر عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس آئے، اور وہاں بھی انکار ہی ملا۔ اس پر وہ گھبرائے کہ اگر

---

۴۰) ایضاً ص ۳۰۱۰

۴۱) ایضاً ص ۳۰۱۱

۴۲) ایضاً ص ۳۰۱۱

۴۳) ایضاً ص ۳۰۱۷ تا ۳۰۱۸

اپنے ہم وطنوں کے پاس ان حالات میں جائیں تو ہماری خیر نہیں۔ طبری کی روایت میں ہے کہ اس پر سارے بزدلوں کی طرح انہوں نے کمزوروں پر دباؤ ڈالا اور عام اہل مدینہ کو دھمکی دی: ہم تمہیں تین دن کی مہلت دیتے ہیں، اگر کسی موزوں شخص کو خلافت قبول کرنے پر تم آمادہ نہ کر سکو تو ہم علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور بہ کثرت عوام کا قتل عام کریں گے۔ یہ طریقہ کارگر ہوا، اور خود اہل مدینہ حضرت علیؓ سے الحاح و اصرار کرنے لگے۔ وہ انکار پر ڈٹے رہے تو طلحہؓ پھر زبیرؓ کے پاس گئے اور ان کے انکار پر مکرر حضرت علیؓ ہی کے پاس آکر رونے لگے: تمہیں اللہ کا ڈر نہیں، تمہیں ہم پر رحم نہیں آتا؟ اہل مدینہ اور باغیوں کی الحاح و زاری پر انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا: "تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میں تمہاری بات کو مان لوں تو تمہیں اپنی مرضی کے مطابق چلاؤں گا اور کسی کی بات یا عتاب کی پروانہ کروں گا۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو تمہارے میں سے ایک کی طرح رہوں گا اور جس کو تم امیر بناؤ اس کا شاید تم سب سے زیادہ ہی مطیع اور بات ماننے والا رہوں گا۔ اور میں تمہارے لیے امیر کی جگہ وزیر رہوں تو تمہارے لیے ہی زیادہ بہتر ہے۔"[۴۴] سب نے کہا آپ کی شرطیں منظور ہیں۔ اس پر فرمایا: "اچھا تو کل مجمع عام میں بیعت ہو گی۔" باغیوں نے آپس میں سوچا: اگر علیؓ کے ممکنہ رقیبوں کو بھی ان کی بیعت پر مجبور کر دیں تو استقامت حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ زبیرؓ کو ان کے کوفی دوست، اور طلحہؓ کو ان کے بصری دوست بلا کر لائے اور علیؓ کی بیعت کرائی۔ دوسرا دن جمعہ کا تھا۔ اطلاع ملنے پر لوگ سویرے ہی مسجد میں جمع ہونے لگے۔ حضرت علیؓ آکر منبر پر چڑھے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر پوچھا: "لوگو! میں علی الاعلان کہتا ہوں یہ (خلافت) تمہارا کام ہے، جس کے سپرد تم کرو اس کے سوا کسی اور کو اس پر حق نہیں۔ کل ایک سمجھوتے پر ہم نے باتیں ختم کی تھیں۔ اگر تمہاری خواہش ہو تو میں (بیعت کے لیے یہاں) بیٹھتا ہوں، ورنہ مجھے کسی کے خلاف کچھ رنج نہ ہو گا۔" اس پر بیعت شروع ہوئی۔ پہلے طلحہؓ بہ جبر لائے گئے اور انہوں نے کہا: "میں اکراہ کے تحت بیعت کرتا ہوں" (بعد میں حضرت علیؓ بھی اسے تسلیم کریں گے: ہم نے ان کو اتحاد پر مجبور کیا، انتشار پر نہیں)۔ پھر زبیرؓ بھی لائے گئے۔ اس کے

---

۴۴) شریف رضی، نہج البلاغۃ، ۱-۱۸۲ خطبہ ۸۸

بعد ان لوگوں کو لایا گیا جو پیچھے رہ گئے تھے (تخلّفوا۔ اس سے مراد غالباً عبد اللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، اسامہ بن زیدؓ، صہیب وغیرہ ہیں جو فتنے کے زمانے میں غیر جانبدار رہنا چاہتے تھے اور باغیوں کی تلواروں کے سائے میں انتخاب سے خوش نہ تھے)، اور انہوں نے کہا: ہم اس بات پر بیعت کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کو قریب اور بعید، قوی اور ذلیل سب پر نافذ کیا جائے۔ علیؓ نے ان سے اس پر بیعت کی۔ پھر عوام الناس اٹھے اور بیعت شروع کی۔

بیعت کی رسم ختم ہونے کے بعد، ابن کثیر (بدایہ، ۷-۲۲۷ تا ۲۲۹) کے مطابق طلحہؓ، زبیرؓ اور دیگر اکابر صحابہ ان کے پاس آئے اور قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا ان (باغیوں) کے پاس بڑی قوت ہے ان کے خلاف فی الوقت فوراً کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ اس پر حضرت زبیرؓ نے کہا: ”مجھے کوفہ کا والی بناؤ، میں وہاں سے فوجیں لے کر آتا ہوں۔“ اسی طرح حضرت طلحہؓ نے کہا: ”مجھے بصرہ کا والی بناؤ تاکہ وہاں سے فوجیں لاکر ان خوارج (یعنی باغیوں) اور جاہل بدویوں کے مقابلے کے لیے قوت حاصل ہو“۔ کہا: ”میں غور کروں گا۔“ ابن عباسؓ نے مشورہ دیا کہ سارے پرانے والیوں کو امن قائم ہونے تک ان کی خدمتوں پر بحال رکھا جائے، خاص کر حضرت معاویہؓ کو شام کے صوبہ پر۔ علیؓ نے کہا میری یہ رائے نہیں ہے۔ خاص کر معاویہؓ کے متعلق تو قطعاً نہیں۔ پھر شام کی گورنری ابن عباسؓ کو پیش کی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر سھل بن حنیفؓ کو وہاں نامزد کر کے بھیجا مگر معاویہؓ کی سوارہ فوج کے رسالے نے تبوک ہی سے انہیں واپس کر دیا۔ مصر پر قیس بن سعد کو نامزد کیا، مگر وہاں والوں نے اسے نہ مانا۔ اہل بصرہ نے بھی نئے گورنر کو قبول نہ کیا۔ عمارہ بن شہاب کو کوفہ بھیجا تو راستے میں طلحہ بن خویلد نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرتے ہوئے اس کو آگے جانے نہ دیا۔ والی کوفہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے علیؓ کو اہل کوفہ کی بڑی اکثریت کی بیعت بھیجی۔ بلاذری (انساب) کے مطابق خود اہل مکہ نے بھی بیعت سے انکار کیا۔ غرض انتشار پھیل گیا۔

عوام نے حضرت علیؓ سے بڑی توقع کی لیکن دن گزرتے گئے اور قاتلینِ عثمانؓ کے خلاف کچھ بھی نہ ہونے سے ان کی مقبولیت روز بروز متاثر ہوتی گئی۔

اس پر طلحہؓ اور زبیرؓ مکہ چلے گئے اور امہات المومنینؓ سے جو وہاں سخت تاسف و تاثر کی حالت میں تھیں کہا کہ ہم عثمانؓ کا بدلہ لیں گے۔ طلحہؓ کا بصرہ میں بڑا اثر تھا۔ وہاں کا قصد کیا تو بی بی عائشہؓ نے ساتھ جانے پر رضامندی ظاہر کی۔ بی بی حفصہؓ بھی آمادہ تھیں لیکن ان کے بھائی عبد اللہ بن عمرؓ نے روکا اور کہا میں ساتھ نہ آؤں گا۔ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کے بصرہ جانے میں وہاں کے خزانے اور چھاؤنی کی اہمیت کے باعث خانہ جنگی کا خطرہ محسوس کیا، اور مدینہ سے روانہ ہوئے کہ ان سے پہلے خود بصرہ پر قبضہ کر لیں۔ ابن سبا بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کے ہمراہ بصرہ روانہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے والی کوفہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو کمک بھیجنے کا حکم روانہ کیا۔ صریح احادیث نبویہ کی یاد میں وہ خانہ جنگی روکنے کے لیے اپنے علاقے کے رضاکاروں کو باہر نہ جانے کی تاکید کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جب امام حسنؓ نے آکر مسجد میں لوگوں کو ساتھ چلنے کا مشورہ دیا تو بھی وہ اپنی امن پسندی سے باز نہ آئے۔ اس پر حضرت علیؓ نے انہیں فوراً خدمت سے معزول کر دیا، اور اس متقی گورنر نے کوئی مخالفت نہ کی بلکہ خدمت کا خاموشی سے جائزہ دے کر صحرا نشین ہو گئے۔

حضرت علیؓ بھی عراق پہنچے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و عائشہؓ بھی۔ جب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو بہت سے سر بر آوردہ مسلمان اس خانہ جنگی کو روکنے کی کوشش کرنے لگے۔ واقعہ یہ ہے کہ بہت سی بدگمانیاں اور غلط فہمیاں تھیں: حضرت علیؓ خیال کر رہے تھے کہ حضرت عائشہؓ و طلحہؓ ان کے شخصی مخالف ہیں۔ فریق ثانی کو گمان تھا کہ حضرت علیؓ کا شہادت عثمانی میں ہاتھ ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ان قاتلینِ عثمانؓ کو بھی جو ان کی اپنی فوج میں ہیں سزا دینا نہیں چاہتے۔ جب غیر جانبدار بیچ میں پڑے تو غلط فہمیاں دور ہو گئیں اور مصالحت مکمل ہو گئی۔[۴۵] ابن سبا اور اس کے ساتھی گھبرائے کہ اب ان کی خیر نہیں۔ اس پر بڑی رات گئے اس گروہ نے حضرت عائشہؓ کے پڑاؤ کی طرف سے آکر حضرت علیؓ کی غافل اور مطمئن فوج پر حملہ بول دیا۔ حضرت علیؓ نے فطرۃً گمان کیا کہ حضرت طلحہؓ نے غداری کی ہے۔ جب انہوں نے مدافعت میں جوابی حملہ کیا تو اب حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ کو بھی مماثل گمان ہوا، اور جلدی ہی دونوں فوجیں گتھ گئیں۔ حضرت عائشہؓ

---

۴۵) ابن کثیر۔ الکامل والتاریخ ۷۔ ۲۳۷

ایک اونٹ پر سوار ہو کر پوری جوانمردی سے معرکہ میں شریک ہوئیں، اور اسی لیے اس لڑائی کو جنگ جمل کا نام دیا گیا ہے۔ لڑائی دیر تک جاری رہی۔ اس اثنا میں حضرت علیؓ نے طلحہؓ اور زبیرؓ کو پیغام بھیجے، اور یہ دونوں اس سے اتنا متاثر ہوئے کہ فوج چھوڑ کر صحرا میں پناہ گزین ہونے چلے گئے، لیکن بعض مخالفین نے بظاہر ناواقفیت میں ان کو راستے میں مار ڈالا۔ ان کے جانے پر فریق ثانی کی فوج کمزور ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھی، غلط فہمی میں، انتہائی بہادری سے لڑے مگر آخر مغلوب ہو گئے۔ (تنبیہ: مسعودی کے مطابق اصحاب الجمل میں سے تیرہ ہزار آدمی مارے گئے جن میں سے قبیلہ ازد ہی کے چار ہزار تھے)۔

حضرت علیؓ نے اسلامی شرافت کا برتاؤ کیا۔ بھگوڑوں کے تعاقب سے روکا، مجروحین کو قتل کرنے سے منع کیا، مال غنیمت میں سے سرکاری سامان اور ہتھیار تو ضبط کر لیے لیکن باقی سامان مالکوں یا ان کے وارثوں کو واپس کرنے کا حکم دیا (اور لوگ رفتہ رفتہ عرصہ دراز تک آکر اپنا سامان پہچان کر لے جاتے رہے)۔ عورتوں کی عصمت بچائی۔ یہودی غنڈوں کو یہ اچھا نہ لگا تو حضرت علیؓ نے بگڑ کر ڈانٹا: ”کون ہے جو ام المومنین عائشہؓ کو لونڈی بنا کر ان کی عصمت دری کرنے پر آمادی ہے؟“ پھر عائشہؓ کو پوری عزت و حرمت سے ان کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر اور دیگر معتمد علیہ لوگوں کی حفاظت میں مدینہ واپس بھیجنا چاہا۔ حضرت عائشہؓ اتنا متاثر تھیں کہ انہوں نے شکر گزاری میں کہا: ”میں تمہارے ساتھ رہ کر اہل شام کے مقابلے کے لیے جانا چاہتی ہوں۔“ مگر حضرت علیؓ نے ان کو اصرار سے مدینہ واپس بھیج دیا۔

اس پہلی فتح پر حضرت علیؓ کی پوزیشن کافی مستحکم ہو گئی اور حرمین اور عراق ہی نہیں، خراسان، آذربئ جان، بلاد الجبل، یمن اور مصر نے بھی بیعت کر لی۔ لیکن بصرہ کے بیت المال کو بہر حال انہوں نے سیاسی اغراض و مقاصد کے لیے استعمال کیا اور اس کی ساری رقم اپنی فوج کو انعام میں دے دی۔ ہر شخص کو پانچ پانچ سو درہم ملے۔ اور وعدہ کیا کہ دمشق کا خزانہ بھی ان کو بانٹیں گے۔

اب انہوں نے شام کی طرف توجہ کی اور طویل خط و کتابت ہوتی رہی۔ (اس کا بڑا حصہ نہج البلاغہ میں محفوظ ہے)۔ بلاذری (انساب، مخطوطہ استانبول، ۱-۳۴۴) کے مطابق المسور بن مخرمہ الزھری کے ہاتھ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو یہ خط بھیجا: "لوگوں نے مشورہ کیے بغیر عثمانؓ کو مار ڈالا ہے، پھر میری بیعت کی ہے۔ تم بھی بیعت کر لو، اللہ تم پر، توفیق دیتے ہوئے، رحم کرے گا، اور میرے پاس شام کے شرفاء کا وفد ساتھ لے کر آؤ۔" لیکن معاویہؓ کے لیے گورنری کا کوئی ذکر نہ کیا۔ اولاً معاویہؓ نے کہلا بھیجا کہ قاتلینِ عثمانؓ کو ان کے رشتہ داروں کے سپرد کرو، اور خلافت کو شوریٰ بناؤ تاکہ لوگ آزادی سے کسی کا انتخاب کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ رد کر دیا۔ طبری، نہج البلاغہ وغیرہ میں مندرج خطوط کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے حضرت علیؓ کا واحد استدلال یہ تھا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہیں اور نبوت و خلافت ایک ہی جگہ رہ سکتی ہیں (یعنی وراثت) اور یہ کہ انتخاب کا حق صرف اہل مدینہ کو ہے، صوبہ جات کو صرف اطاعت کرنی چاہیے۔ اور کسی خط میں خفیف سے خفیف اشارہ بھی اس طرف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں ولی عہد نامزد کیا ہو۔ (فضائل علیؓ کی حدیثوں سے علیؓ پسند (شیعہ) لوگ اب جو استنباط کرتے ہیں کیا وہ بعد کی چیزیں ہیں؟) ان کا معاویہؓ کے متعلق قول کہ وہ طلقاء فتح مکہ میں سے ہونے کے باعث خلافت کی صلاحیت نہیں رکھتے، وہ بھی بعد والوں کی ایجاد ہے۔ حضرت ابو سفیانؓ نے فتح مکہ سے قبل رسول اکرم ﷺ کے پڑاؤ میں اسلام قبول کیا اور حضور ﷺ نے اعلان کرایا: جو کوئی ابو سفیانؓ کے مکان میں چلا جائے اسے امن رہے گا۔ معاویہؓ کے اس سے بھی سال بھر قبل اسلام لا چکے ہونے کی روایت کو قبول نہ بھی کیا جائے تو، اس فرمانِ نبویؐ کے باعث معاویہؓ غلام نہ بنے اور نہ آزاد کیے گئے (طلقاء کے معنی ہیں: تمہیں چھوڑ دیا جاتا ہے، مواخذہ نہیں کیا جاتا، یہ نہیں کہ آزاد کیا جاتا ہے، اگر وہ آزاد کردہ غلام بھی ہوتے تو حضرت عمرؓ کے نزدیک سالم مولیٰ ابی خذیفہ کے خلیفہ بن سکنے کی موزونیت بھی اس استدلال کے خلاف پڑے گی۔)

جب باتوں سے کام نہ بنا تو آخر العلاج الکی، دونوں طرف سے فوجیں آگے بڑھنے لگیں۔ علیؓ کے ساتھ نوے ہزار، اور معاویہؓ کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی، صفین پہنچ کر ایک سو دس دن تک آمنے سامنے پڑی رہیں اور اس اثنا

میں صرف چپقلشیں ہوتیں اور فریقین میں قراء بیچ میں پڑ کر لڑائی سے روکتے رہے۔ یہ لوگ قران لے کر دونوں فوجوں کے مابین بیٹھ جاتے اور کسی کو جرأت نہ ہوتی کہ قرآن پڑھنے والوں کو روندتے ہوئے جائیں۔

آخری معرکے سے قبل چند ضمنی امور کا ذکر بے جا نہ ہو گا۔ معاویہؓ جیسے فقیہ اور امن پسند صحابی نے حضرت علیؓ سے کیوں مخالفت کی؟ خود ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میری حکمرانی کی پیشن گوئی فرمائی اور تاکید کی کہ اگر میں اس رتبے پر پہنچوں تو در گذری کو اپنی عادت بناؤں۔ جب سے میں نے یہ سنا مجھے خلافت کی تمنا رہی (ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے انتخاب کے وقت کسی چناؤ کا سوال نہ تھا)۔ ایسی ساری حدیثیں ازالۃ الخفا (۱-۱۴۸، ۱-۱۵۳ تا ۱۵۴، ۱۶۹) میں جمع کر دی گئی ہیں۔ ترمذی میں ہے: "اے اللہ! تو اس (معاویہؓ) کو ھادی اور مہدی بنا اور اس کے ذریعے سے ہدایت دے۔" ابن سعد اور ابن عساکر میں ہے: "اے اللہ! تو اسے کتاب (قرآن) سکھا، اسے ملک میں متمکن کر، اور اسے عذاب سے بچا"۔ وغیرہ

سیاسی نقطۂ نظر سے: اس اثنا میں خراسان اور ترکستان کی سرحد بظاہر پر امن رہی، اور مصر میں بھی بیرونی حملہ کا خطرہ نہ پایا گیا۔ رومی شہنشاہ قسطنط (Constant) نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اپنی سابق رعایا کو مسلمانوں سے بغاوت پر ورغلایا، اور حملہ کرنے کی تیاری شروع کی۔ شام میں معاویہؓ کے حسن انتظام سے عیسائی رعایا کو مذہبی متعصب بیزنطینی حکومت کا جوا دوبارہ گلے میں ڈالنے کی کوئی خواہش نہ تھی (اور ایسی مثالیں صدیوں تک ملتی رہیں کہ غیر فرقے کے عیسائیوں کے ماتحت بننے پر یہ لوگ مسلمانوں کی ماتحتی کو ترجیح دیتے رہے، حتیٰ کہ حروب صلیبیہ کے زمانے میں بھی)۔ مگر فریس معاویہؓ کسی پہلو کو بھی نظر انداز نہ کرتے تھے۔ انہوں نے ایک طرف قسطنط کو لکھا کہ اگر وہ حملہ کرے تو وہ علیؓ کی فوج کے مقدمۃ

الجیش میں رہ کر اس کا مقابلہ کریں گے۔(۴۶) اور ساتھ ہی اسے پیشکش کی کہ اگر وہ پر سکون رہے تو اسے معقول رقم "خراج" میں دیں گے۔ یہ نرم و گرم کا جوڑ کارگر رہا۔

صفین میں آخر جب لڑائی ہوئی تو آخری دن حضرت علیؓ کو غلبہ ہو گیا اور قریب تھا کہ ان کی فتح پر جنگ ختم ہو جائے۔ اس وقت فریقِ ثانی نے مہلت حاصل کرنے کی ایک جذباتی تدبیر کی۔ قرآن مجید کے کوئی پانچ سو نسخے سپاہیوں نے نیزوں کی نوک پر باندھ کر بلند کیے اور دمشق کا حضرت عثمانؓ کا روانہ کردہ مصحف اعظم بھی جو اتنا بڑا تھا کہ پانچ نیزوں پر باندھا گیا اور اسے پانچ سپاہیوں نے اٹھایا۔ اور مطالبہ کیا کہ فریقین قرآن پر عمل کریں۔ یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ یہودی تو نہیں، لیکن خارجی جو حضرت علیؓ کی فوج میں کافی تھے، قرآن پر وار نہیں کر سکتے تھے۔ جب انہوں نے مقدمۃ الجیش کے کمانڈر مالک الاشتر کو روکنے میں کامیابی حاصل نہ کی تو براہ راست حضرت علیؓ کو مجبور کیا۔ لڑائی میں کچھ یہودی بھی مارے گئے ہوں ہوں گے لیکن وہ بہر حال اپنے کو کٹانے کے زیادہ خواہشمند نہیں ہو سکتے تھے۔ اصل میں جوش اور خلوص یمن کے قراء اور خوارج میں تھا اور انہی کی جانبازی سے حضرت علیؓ کو فتح حاصل ہو سکتی تھی۔ ان کے اس دین دارانہ مطالبہ کو اب وہ رد نہیں کر سکتے تھے۔ ان کو سمجھانے کی کوشش میں جب وہ کامیاب نہ ہوئے تو مالک الاشتر کو ہتھیار روکنے اور واپس آنے کا حکم دے دیا۔

حضرت علیؓ کی کامل فتح میں بھی ابن سبا و شرکاء کو دغدغا تھا۔ ان لوگوں نے فوراً دونوں فریقوں میں ایجنٹ پھیلائے اور دونوں کی مہربانیاں حاصل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ایک یہودی تھا اشعث بن قیس کندی(۴۷)، سات پشت کا غدار ابن غدار، کچھ عرصہ بعد اسی کی بیٹی نے امام حسنؓ سے نکاح کیا مگر اس نے انہیں زہر دے دیا۔ غرض اسی الاشعث بن قیس نے دوادوی کر کے اور بیچ میں پڑ کر فریقین میں "صلح" کرائی تاکہ جنگ کبھی ختم نہ ہونے پائے۔ وہ

---

۴۶) محمد حمید اللہ۔الوثائق السیاسیتہ نمبر ۳۷۳

۴۷) ابو جعفر محمد ابن حبیب، کتاب المحبر ص ۲۴۵

مصالحت یہ تھی فریقین ایک ایک حکم نامزد کریں، اور دونوں حکم باہم گفتگو کر کے قرآنی احکام کے مطابق فیصلہ سنائیں۔ عہد نامہ لکھا گیا تو فریقین کے ممتاز لوگوں نے اس پر دستخط کیے، اشعث نے بھی علیؓ کی طرف سے دستخط کرنے کی عزت حاصل کی، پھر اس کا نسخہ لے کر دستہ بہ دستہ گھومتا رہا تاکہ لوگوں کو اپنی کارگزاری بتائے کہ کتنی اچھی اور دیندارانہ شرائط کے تحت صلح ہوئی ہے (اگرچہ بعض خارجیوں کا اختلاف اسی وقت سے شروع ہو گیا)۔ معاہدۂ تحکیم ہم یہاں کاملاً درج کرتے ہیں (متن کے لیے الوثائق السیاسیہ، نمبر ۳۷۲)۔ کچھ اختلافِ روایات بھی ہے، لیکن قدیم ترین متن دینوری کی الاخبار الطّوال میں ہے، جو یہ ہے:

(۱) یہ علیؓ بن ابی طالب اور معاویہؓ بن ابی سفیان اور ان کے ہم خیالوں نے، باہمی قبول کی ہوئی چیزوں کے تحت، فیصلہ کیا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت نبویہؐ کے مطابق حکم دیا جانا چاہیے۔

(۲) علیؓ کے فیصلہ کی موجود و غائب (سارے) اہل عراق پر (پابندی) ہے اور معاویہؓ کے فیصلہ کی موجود و غائب اہل شام پر۔

(۳) ہم نے باہم رضامندی سے قبول کیا ہے کہ قرآن شروع سے آخر تک جو حکم دیتا ہے اسی پر توقف (عمل) کیا جائے گا: جسے وہ زندہ کرتا ہے، ہم زندہ کریں گے، جسے وہ مار ڈالتا ہے ہم بھی مار ڈالیں گے۔ اسی (شرط) پر ہم نے باہم فیصلہ کیا اور باہمی رضامندی دی ہے۔

(۴) علیؓ اور ان کے ہم خیالوں نے عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعریؓ) کو ناظر اور حکم بنانے پر رضامندی دی ہے، اور معاویہؓ اور ان کے ہم خیالوں نے عمرو بن العاصؓ کو ناظر اور حکم بنانے پر۔

(۵) علیؓ اور معاویہؓ دونوں نے عبد اللہ بن قیسؓ اور عمرو بن العاصؓ سے اللہ کا عہد و میثاق و ذمہ اور رسول خدا ﷺ کا ذمہ لیا ہے کہ وہ قرآن کو اپنا امام بنائیں گے اور اس میں جو چیز لکھی ہوئی ملے اس کو چھوڑ کر کسی اور طرف نہ جائیں

گے۔ اور انہیں جو چیز وہاں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی متحد کنندہ سنت کی طرف رجوع کریں گے۔ اور اس کی عمداً ہر گز نہ خلاف ورزی کریں گے اور نہ اس میں کوئی مشتبہ چیز تلاش کریں گے۔

(۶) عبداللہ بن قیسؓ اور عمرو بن العاصؓ نے علیؓ اور معاویہؓ سے اللہ کا عہد و میثاق لیا ہے کہ یہ دونوں کتاب اللہ اور سنتِ نبویہؐ میں (موجود چیز) کے ذریعہ سے جو حکم دیں گے اس کو وہ قبول کریں گے اور انہیں یہ حق نہ ہوگا کہ اس (فیصلۂ تحکیم) کو توڑیں اور اس کے خلاف کسی اور چیز کی طرف جائیں۔

(۷) ان دونوں کو تحکیم کے بارے میں جان و مال، بال و پوست اور اہل اولاد کے متعلق امن رہے گا۔ یہ دونوں حق بات سے تجاوز نہ کریں گے چاہے وہ کسی کو پسند آئے یا ناگوار گزرے۔ ساری امت ان دونوں کی، ان کے کتاب اللہ (میں مندرج اور اس) کے مطابق کیے ہوئے فیصلہ کے متعلق، مددگار ہوگی۔

(۸) اگر دونوں حکموں میں سے کوئی تحکیم کے طے ہونے سے قبل فوت ہو جائے تو اسی کی پارٹی اور اسی کے مددگار اس کی جگہ کسی اور صاحبِ عدل و صلاح شخص کا انتخاب کریں گے۔ اور اس پر بھی اسی عہد و میثاق کی پابندی ہوگی جیسا کہ اس (متوفی) رفیق پر تھی۔

(۹) اور اگر اس عہد نامۂ تحکیم میں بیان کردہ مدت کے اندر دونوں امیروں (علیؓ و معاویہؓ) میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اسی کے ہم خیال اس کی جگہ اس شخص کو والی بنائیں گے جس کی عدالت پر وہ رضامند ہوں۔

(۱۰) فریقین پر یہ فیصلہ، اور گفت و شنید، اور ہتھیار روکنا نافذ ہوتا ہے۔

(۱۱) اس فیصلہ نے وہ چیز واجب کر دی ہے جس کا اس تحریر میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ دونوں امیروں، دونوں حکموں، اور دونوں فریقوں پر کیا شرط عائد ہوگی۔ اللہ سب سے زیادہ قریبی گواہ ہے اور اسی کی گواہی کافی ہے۔ اگر دونوں (حکم) اس کے خلاف کام کریں اور تعدی کریں تو ساری امت ان کے حکم سے اپنے کو بری قرار دیتی ہے پھر ان کے لیے نہ (حفاظت) کا عہد رہے گا نہ ذمہ۔

(۱۲) سارے لوگوں کو مدت کے ختم ہونے تک جان، مال، اولاد اور اہل کے بارے میں امن رہے گا۔ ہتھیار ڈال دیے جائیں گے۔ راستے پر امن رہیں گے۔ فریقین کے غائب (غیر موجود) لوگوں کو بھی وہی (حق) حاصل ہو گا جو حاضر لوگوں کو ہے۔

(۱۳) دونوں حکموں کو حق ہو گا کہ اس مقام پر قیام کریں جو اہل عراق اور اہل شام کے مابین متوسط اور مساوی فاصلے پر ہو۔

(۱۴) ان کے پاس سوائے اس کے کوئی جانہ سکے گا جس کو وہ پسند کریں اور راضی ہوں

(۱۵) مدت ماہ رمضان کے ختم ہونے تک ہے۔ اگر دونوں حکم تحکیم کو اس سے قبل ہی کرنے کی رائے رکھیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ اور وہ مدت کے آخر تک تاخیر کرنا چاہیں تو تاخیر بھی کر سکتے ہیں۔ (یہ آخری جملہ بلاذری اور جاحظ کے ہاں: "مدت کے آخر تک" کی جگہ علی الترتیب یوں ہے: "تاخیر کرنا چاہیں تو تاخیر بھی کر سکتے ہیں" اور تاخیر کرنا چاہیں تو دونوں حکم باہمی رضامندی سے تاخیر بھی کر سکتے ہیں"۔ بظاہر یہی صحیح ہے کیونکہ تحکیم کو کوئی ڈیڑھ سال لگا)۔

(۱۶) اگر مدت کے آخر تک بھی یہ دونوں حکم کتاب اللہ اور سنت نبویہؐ کے مندرجات کے مطابق تحکیم نہ کر سکیں تو فریقین اپنی سابقہ حالت پر عود کر آئیں گے۔

(۱۷) ساری امت پر اس بارے میں اللہ کا عہد و میثاق ہے کہ وہ ہر اس شخص کے، جو اس بارے میں الحاد، ظلم اور پھوٹ چاہے: "خلاف ہو کر ایک ہاتھ بن کر مقابلہ کریں گے۔" (تمت)

متن میں تاریخ نہیں ہے، جو ۷ اصفر سنہ ۳۷ھ کہی جاتی ہے۔ حضرت علیؓ نے چاہا تھا کہ ان کا نمائندہ ان کے سیاست دان چچازاد بھائی عبداللہ بن عباسؓ یا کمانڈر مالک الاشتر ہوں لیکن امن پسند قراء نے کہا کہ ابن عباسؓ غیر جانبدار نہ رہیں گے اور مالک الاشتر ہی فساد کی جڑ ہے اور مجبور کیا کہ ابو موسیٰ اشعریؓ جیسے خدا ترس متقی کو، جو خانہ جنگی کو روکنے کی ناکام کوشش بھی کر چکے تھے، معین کیا جائے۔ حضرت علیؓ کو ماننا پڑا۔

ظاہر ہے کہ قرآن مجید کوئی پیشن گوئیوں کی کتاب نہیں کہ اس میں حضرت علیؓ یا ان کے مخالفین کے متعلق کوئی صراحت اس خانہ جنگی کے متعلق ملے۔ مقتول کے وارثوں کو قاتل کے قتل کرسکنے کا حق ضرور بیان ہوا ہے۔ لیکن جھگڑا اس پر نہ تھا کہ قاتلین عثمانؓ کے متعلق کیا برتاؤ کیا جائے۔ دونوں قصاص پر متفق تھے۔ بلکہ یہ کہ خلافت کے مستحق اس زمانہ میں حضرت علیؓ ہیں یا معاویہؓ؟ اب یہ قرآن وحدیث کی جگہ محض اجتہاد اور صوابدید کا مسئلہ تھا کہ جائز خلیفہ حضرت عثمانؓ نے چونکہ کسی کو ولی عہد نامزد نہیں کیا تھا اس لیے نئے خلیفہ کا انتخاب کس طرح ہو؟

حکموں کے مجتمع ہونے کے مقام کے متعلق اذرح اور دومۃ الجندل دونوں کا ذکر آتا ہے۔ اس کی وجہ بلاذری نے بتا دی ہے: ”دونوں حکم پہلے تدمر میں ایک مہینہ رہے باہم بحث بھی ہوئی اور ہر حکم اپنے امیر کو لکھ کر جوابات بھی حاصل کرتا رہا۔ پھر تدمر سے دومۃ الجندل جا کر وہاں مہینہ بھر رہے۔ پھر وہاں سے اَذرح چلے گئے۔“[۴۸]

مروج الذھب (مسعودی) کے بعض تفصیلیں ہیں جو محض افسانہ معلوم ہوتی ہیں، مثلاً یہ قصہ کہ حکم نامزد ہونے کے بعد جب شامی فوج واپس ہوئی تو عمرو بن العاصؓ نے معاویہؓ کے ہاں آنا جانا ترک کر دیا (کہ میں اب مختار کل ہوں، چاہے معاویہؓ کو رکھوں یا معزول کروں۔ غرض انہیں مجھ سے ہے مجھے ان سے نہیں)۔ اس پر معاویہؓ ایک دن عمرو بن العاصؓ کے گھر گئے اور بلطائف الحیل ملاقات کے کمرے کو عمروؓ کے آدمیوں سے بالکلیہ خالی کرا کے اپنے سپاہیوں سے بھر دیا اور کمرہ اندر سے بند کر کے کہا: ”میری بیعت کرو ورنہ ابھی قتل کرا دیتا ہوں۔“ عمروؓ نے مصر کی گورنری مانگی، جو معاویہؓ نے بخوشی دی۔ پھر عمروؓ کی بیعت لے کر گھر واپس گئے۔

بلاذری وغیرہ کے ہاں صراحت ملتی ہے کہ حکموں نے کبار صحابہ مثلاً عبد اللہ بن عمرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ سے درخواست کی کہ وہ زحمت کر کے ان سے ملنے آئیں اور مشورے دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ حکموں کی اولین ملاقات کے بعد ہی

---

۴۸) انساب مخطوطہ استنبول ۱-۳۸۴

طے ہوا ہو گا، اور اس میں وقت بھی لگا ہو گا کہ دعوت نامہ جائے اور یہ لوگ (غالباً مکہ یا مدینہ سے) عرب کے شمال میں پہنچ سکیں۔

مروج الذھب (مسعودی) کے ہاں بعض دیگر تفصیلیں بھی ہیں جو اوروں کے ہاں نہیں ہیں، اور یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کس حد تک صحیح ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جب پہلی بار دونوں حکم ملے تو ابو موسیٰؓ نے ایک طویل تقریر کی، اور اسلام کی مصیبت کا ذکر کرتے ہوئے کہا: "اے عمروؓ! آؤ ایسا کام کریں جس کے باعث اللہ مسلمانوں میں الفت پیدا کرے اور جھگڑوں کو دور کریں"۔ عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا: "یہ ٹھیک ہے لیکن بھول نہ جانے کے لیے مناسب ہے کہ ہم میں طے شدہ ہر چیز لکھ لی جائے"۔ پھر اپنے کاتب کو بلا کر کہا: "تجھ سے جو چیز کہی جائے اگر اسے ہم دونوں منظور کریں تو لکھنا ورنہ نہیں۔ پھر ایک عبارت لکھوانی شروع کی کہ یہ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ کا متفقہ فیصلہ ہے۔ شروع میں حمد و صلاۃ، پھر ابو بکرؓ و عمرؓ کے برحق اور اچھے خلیفہ ہونے کا ذکر آیا۔ بعد ازاں یہ کہ عثمانؓ اجماع امت اور شورائے اصحاب رسول ﷺ سے خلیفہ بنے، وہ دیندار مومن تھے، مظلوم قتل کیے گئے، اور ان کا خون ان کے ولی۔ اور قریب ترین ولی معاویہؓ ہیں۔ طلب کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد ابو موسیٰؓ نے کہا کہ علیؓ کو شامی، اور معاویہؓ کو عراقی پسند نہیں کرتے۔ اس لیے دونوں کو معزول کر کے کسی موزوں شخص کو خلیفہ نامزد کیا جائے۔ ابو موسیٰؓ نے عبد اللہ بن عمرؓ کا نام پیش کیا۔ عمرو بن العاصؓ نے اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا۔ ابو موسیٰؓ نے کہا: "عبد اللہ بن عمرو بھی موزوں تھے لیکن تمہیں نے ان کو جنگ میں گھسیٹ کر داغدار کر دیا ہے۔ (غالباً اس کے بعد عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ مشاورت کے لیے بلائے گئے کہ علیؓ و معاویہؓ کی جگہ کسے چنیں)۔ اس بارے میں دار قطنی کی روایت بھی دیکھی جائے (جسے ابن العربی نے العواصم، ص۔۱۲۷-۱۲۹ میں نقل کیا ہے) کہ اس کی بھنک حضرت معاویہؓ کے کانوں پر بھی پڑ گئی تھی اور دونوں میں کچھ تنت بھی ہو گئی تھی۔

بلاذری (انساب، مخطوطہ) کے مطابق عمرو بن العاصؓ نے عبد اللہ بن عمرؓ سے کہا: ”میں تمہیں خلیفہ بناؤں تو کیا مجھے مصر کا والی بناؤ گے؟“ انہوں نے کہا: ”نہیں“۔ بلاذری ہی نے ابو خثیمہ کے حوالے سے ایک اس سے بھی زیادہ غیر قرین قیاس قصہ لکھا ہے: ”عمرو بن العاص نے عبد اللہ بن عمرؓ سے کہا کہ ہم دونوں حکم اس پر متفق ہو چکے ہیں کہ تمہیں خلیفہ بنائیں، کیا تم کچھ رقم لے اس شخص کے حق میں دستبردار نہ ہو جاؤ گے جو اس کا خواہشمند ہے؟“ ظاہر ہے کہ ابن عمرؓ نے خفگی اور حقارت سے اسے رد کیا اور کہا کہ میں خلافت اس وقت تک قبول نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ متفقہ نہ ہو، اور اگر دو آدمی بھی مخالف ہوں تو پھر میں اسے قبول نہ کروں گا۔

بہر حال اس طرح دونوں حکموں میں مہینوں پیچیدہ سیاسی رسہ کشی ہوتی رہی۔ تاریخوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابو موسیٰؓ اور عمرو بن العاصؓ اس پر راضی ہو گئے کہ معاویہؓ اور علیؓ دونوں کو معزول کر کے کسی کا آزادانہ انتخاب ہو۔ یہ ممکن ہے لیکن اس سے سیاسی خلا پیدا ہو جاتا، اور فریقین کی فوج کی موجودگی میں، جب کہ علیؓ اور معاویہؓ اپنی اپنی خلافتوں کو منانے پر تلے ہوئے ہوں، آزادانہ انتخاب کی فضا پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ واحد حل یہ تھا کہ دونوں حکم کسی ایک نام پر متفق ہوں، اور یہ ہو نہیں رہا تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے یہ بھی محسوس کیا ہو گا کہ اگر ان کا اپنا بیٹا خلیفہ نہیں بنتا ہے تو محض معاویہؓ کی معزولی اور سیاسی خلا کے پیدا کرنے کے بعد وہ نہ گھر کے رہیں گے نہ گھاٹ کے (کذا)۔ اس لیے انہوں نے شروع میں ابو موسیٰؓ کی تجویز منظور بھی کی ہو تو غورِ مکرر کے بعد رائے بدل دی ہو گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابو موسیٰؓ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ ان حالات میں اوپر بیان شدہ حکموں میں یادداشت کا لکھا جانا ایک افسانہ بن جاتا ہے کیونکہ جب حکموں نے فیصلہ سنایا اور ان میں اتفاق نہ پایا گیا تو ابو موسیٰؓ نے کیوں نہ کہا کہ یہ ہمارے نوشتہ معاہدہ کے خلاف ہے؟

جو بھی ہو، تحکیمی فیصلہ سنانے کے لیے فریقین کے نمائندے جمع ہوئے۔ پہلے ابو موسیٰؓ نے اٹھ کر کہا کہ امت میں دوبارہ اتحاد پیدا کرنے کے لیے بہتر ہے کہ موجودہ دونوں امیدواروں کو معزول کر کے کسی تیسرے کا انتخاب کیا

جائے۔ اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ ابو موسیٰؓ کو صرف اپنے مؤکل کو معزول کرنے کا حق ہے اور میں اسے نوٹ کرتا ہوں۔ رہا میں، میں اپنے مؤکل کو معزول نہیں کرتا بلکہ انہیں برقرار رکھتا ہوں۔

فرقہ واری بحث میں اس پر گالی گلوچ بلکہ تکفیر تک کی نوبت آگئی ہے۔ ہم ٹھنڈے دل سے کچھ غور کریں:

بخاری وغیرہ میں ایک مشہور حدیث امام حسنؓ کے فضائل میں ہے: میرا یہ بچہ سردار ہے اور ایک دن آئے گا کہ اللہ اس کے باعث "مسلمانوں کے دو گروہوں میں" صلح کرائے گا۔ جب رسول اللہ ﷺ معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو مسلمان قرار دیتے ہیں تو پھر کسی مسلمان کو ان کی تکفیر بہر حال نہ کرنی چاہیے۔

علیؓ اور معاویہؓ میں معاہدہ یہ ہوا تھا کہ تحکیم متفقہ ہو تو ان پر پابندی عائد ہو گی۔ وہ متفقہ علیہ نہ ہو سکی اس لیے ردی کا کاغذ اور نا قابلِ نفاذ تھی۔ اور جیسا کہ معاہدہ کی دفعہ ۱۶ میں صراحت ہے، علیؓ کا کوئی نقصان نہ ہوا اور حالتِ سابقہ عود کر آئی۔

ہر وکیل اپنے مؤکل کے لیے سارے جتن کرنے کا عقلاً اور قانوناً مجاز ہے۔ عدالت اسے رد کرنے کی مقتدر ہے لیکن وہ کسی وکیل کو محض اس کی بحث کی وجہ سے نہ کوئی سزا دیتی ہے اور نہ اس کی نیت پر حملہ کرتی ہے (کہ جانبدارانہ بحث وکیل کے فرائض میں داخل ہے) بلکہ صرف یہ کہنے پہ اکتفا کرتی ہے کہ تمہاری دلیلیں ہمیں معقول معلوم نہیں ہوتیں۔ اس چودہ سو سال پہلے کے واقعہ میں ہم خوانندگان بھی عدالت کی طرح سنجیدہ اور جذبات سے عاری فیصلہ سنائیں اور بس۔

اعلان تحکیم کے بعد ظاہر ہے کہ ابو موسیٰؓ سیاست سے کنارہ کش ہو کر گوشہ گزین ہو گئے۔ معاویہؓ کی پوزیشن کئی طرح سے بہتر ہو گئی۔ تحکیم سے ان کو اخلاقی تقویت ہوئی ہو یا نہیں، صفین کے بعد کی مہلت میں ان کی فوجی حالت ضرور بہتر ہو گئی۔ حضرت علیؓ کے ہاں اسی زمانے میں پھوٹ پڑ گئی۔ خوارج نے اس نازک وقت اتحاد و تعاون کی جگہ ایسے مباحث چھیڑے جو نہ علمی حیثیت سے اور نہ ہی سیاسی نقطۂ نظر سے معقول تھے۔ میدان صفین سے تحکیم نامہ سنتے ہی چند لوگ کہنے لگے "لا حکم الا اللہ، اور اس کے خلاف کرنے والا کافر ہے"۔ پھر یہ لوگ حضرت علیؓ کی فوج سے نکل کر ہر جگہ یہ

دعایہ (پروپگنڈا) کرنے لگے۔ ان کے بعض گروہ حضرت علیؓ نے منتشر کیے تو آخر وہ نہروان میں جمع ہونے لگے۔ (کیا اس میں بھی یہودی ہی ان کو شہ دیتے رہے؟ کوئی صراحت تو نہیں ملتی لیکن مروج الذھب میں بیان ہوا ہے کہ ان کو سمجھانے کے لیے حضرت علیؓ نے ایک یہودی کو سفیر بنا کر بھیجا۔ یہ خوارج جو عام مسلمان ہی نہیں سارے غیر مسلموں کو بھی قابلِ گردنی سمجھتے تھے، ان تک ایک یہودی کا پر امن طور سے آنا جانا کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔)

علیؓ کے ہاں نظم وضبط کے خراب ہونے کا اندازہ اس سے کریں کہ ان کے گورنر بصرہ نے بیت المال سے، بروایت بلاذری ساٹھ لاکھ درہم، جبراً لے لیے۔ خازن کی شکایت اور حضرت علیؓ کی جواب طلبی پر انہوں نے لکھا: "کسی اور کو گورنر بنا کر بھیج دو"، اور رقم لے کر وہاں سے چلے گئے۔ اس سے بڑھ کر ذہبی کی روایت ہے: حسن بن علیؓ اور جعفرؓ نے معاویہؓ کو خط لکھ کر کچھ پیسہ مانگا۔ معاویہؓ نے ان دونوں کو ایک لاکھ (دینار) بھیج دیے۔ علیؓ کو اطلاع ملی تو ان دونوں سے کہا: "تمہیں شرم نہیں آتی؟ جس شخص پر ہم صبح شام طعن و تشنیع کرتے رہتے ہیں اسی سے تم پیسہ مانگتے ہو"۔ دونوں نے جواب دیا: "آپ نے ہمیں محروم رکھا ہے اور انہوں نے جود و سخاد کھائی ہے۔"[۴۹]

ان حالات میں حضرت علیؓ معاویہؓ سے فوراً جنگ نہ کر سکے۔ عراق ہی میں خوارج کی پیدا کردہ بدامنی دور کرنی تھی۔ یہ لوگ غیر خوارج مسلمانوں کے دودھ پیتے بچوں کو بھی قتل کرنے سے باک نہ رکھتے تھے، اور ان کے فقیہ نجدۃ الحروری کا استدلال تھا کہ قرآن کے مطابق حضرت موسیٰؑ کے معلم خضر نے ایک مستقبل کے برے بچے کو پیشگی ہی قتل کر دیا تھا۔[۵۰] یہ لوگ بے عقل لیکن انتہائی مخلص اور دیندار مسلمان تھے۔ حضرت علیؓ نے نہروان میں ان پر حملہ کر کے ان کا قتل عام کیا، چنانچہ کوئی دس ہزار میں سے صرف دس زندہ بچ سکے۔ مگر سارے خوارج نہروان میں نہ تھے۔ ان سرفروشوں نے صدیوں مسلمان خلفاء کی نیند حرام کیے رکھی۔

---

۴۹) تاریخ الاسلام۔ ۲-۳۲۳

۵۰) محمد بن احمد ابی سھل سرخسی، المبسوط ۱۰-۲۹

نہروان کے بعد حضرت علیؓ نے شام جانا چاہا تو اشعث کندی نے رکوایا کہ ہتھیار وغیرہ درست کرنا ہیں۔ ٹھہرے تو فوج کے لوگ کھسکنے لگے، اور جلد ہی بمشکل ایک ہزار آدمی رہ گئے۔ اس وقت اطلاع آئی کہ معاویہؓ نے شہر انبار پر حملہ کر کے چھاؤنی کے لوگوں کو قتل کیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے فوجی رضا کار مانگے۔ لوگ پھر بھی نہ آئے۔ اس پر جبراً فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی فوج کس کام کی ہوتی۔ اس مایوسی کے زمانے میں وہ بعض وقت بے اختیار کہا کرتے تھے: "وہ بڑا اشقی آخر کیا انتظار کر رہا ہے؟"[۵۱] رسول اللہ ﷺ کی پیشینگوئی تھی حضرت علیؓ کو ایک بڑا اشقی قتل کرے گا)۔ اس سے بھی زیادہ حیرت مروج الذھب کی اس روایت پر ہوتی ہے کہ الحارث بن راشد نامی ایک شخص تین سو ساتھیوں کے ساتھ ان کی فوج سے نکل کر چلا گیا اور یہ سب نصرانی بن گئے۔

طبری، سنہ ۱۴۰ ابن الجوزی (المنتظم ۳-۲۹)، ابن کثیر (البدایہ ۷-۳۲۲) اور العواصم من القواصم لابن العربی، ص ۱۵۲، کے مطابق معجم الصحابہ للبغوی، سب ہی صراحت کرتے ہیں کہ "علیؓ اور معاویہؓ میں طویل خط و کتابت کے بعد سنہ ۴۰ھ میں ایک مہادنہ (معاہدۂ جنگ بندی) ہو گیا کہ دونوں میں جنگ رک جائے، علیؓ کو عراق، اور معاویہؓ کو شام (کی حکومت) حاصل ہو، ان دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے علاقے میں فوج لے کر نہ جائے اور نہ لوٹ مار غارت گری کرے۔ ابن اسحاق کے مطابق جب دونوں میں سے کسی نے دوسرے کی اطاعت (بیعت) منظور نہ کی تو معاویہؓ نے علیؓ کو لکھا: اگر تم کو اس سے انکار ہے تو عراق تمہارا، اور شام میرا۔ اور اس تلوار کو اس امت سے روکو، اور مسلمانوں کا خون نہ بہاؤ۔ حضرت علیؓ نے اسے قبول کیا اور سب اس پر راضی ہو گئے۔" ایک طرف یہ، اور دوسری طرف ایسی روایتیں بھی ہیں کہ شام پر حملہ کرنے کے لیے وہ فوج جمع کر رہے تھے اور جب ہزاروں لوگ مرنے مارنے کی بیعت کر چکے تھے تو ان کو ایک خارجی نے شہید کر دیا۔

---

۵۱) ابن عبد البر، الاستیعاب زیر "علی" (ترتیب ابجدی)

خارجی اپنی انتہا پسند تقشّف کی تحریک میں سب سے بڑی رکاوٹ تین شخصیتوں کو سمجھتے تھے: علیؓ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ۔ اور حضرت علیؓ سے نہروان کے قتلِ عام کا انتقام بھی لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ چند سر فروش نکلے کہ ان تینوں کو ایک ہی معین دن فجر کی نماز کے وقت مسجد میں قتل کر دیں۔ عمرو بن العاصؓ اتفاق سے اس دن مصر میں نماز کی امامت کے لیے نہ آئے۔ اور معاویہؓ اور علیؓ دونوں زخمی ہو گئے۔ مگر معاویہؓ کا زخم کاری نہ تھا۔ (ان کے کردار کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ جب قاتل نے گرفتار ہو جانے پر معاویہؓ سے کہا: اے اللہ کے دشمن! کیا میں نے تجھے قتل کر دیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہرگز نہیں اے میرے بھائی۔ [۵۲] علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل ابن ملجم کو بھی گرفتار کر لیا گیا، اور علیؓ نے کہا: اسے قید رکھو لیکن اذیت نہ دو۔ میں جانبر ہو گیا تو دیکھوں گا کہ معاف کروں یا کوئی سزا دوں؛ اور اگر مر جاؤں تو اس سے قصاص لے لینا۔ اور پھر جب حضرت علیؓ دارِ فانی سے روانہ ہو گئے تو امام حسنؓ نے اسے محبس سے نکالا، لوگ نفط اور لکڑی کا برادہ لے کر آئے کہ اس کی لاش کو جلا ڈالیں [۵۳] پھر اس کا ایک ایک عضو کاٹا جانے لگا مگر اس نے اف نہ کیا۔ جب اس کی زبان کاٹنے کا حکم دیا تو وہ رونے لگا۔ وجہ پوچھی گئی تو کہا: مجھے مرنے کا کوئی ڈر نہیں لیکن میں چاہتا تھا کہ آخری سانس تک اللہ کا ذکر کرتا رہوں، زبان کے کٹ جانے پر یہ ممکن نہ ہو سکے گا۔ ایسے کرداروں پر آدمی کو دم بخود مبہوت ہو جانا پڑتا ہے اور وہ سمجھ نہیں سکتا کہ کیا رائے دے۔ ایک اور معاصر خارجی کو سزائے موت دینے کے بعد اس کے خادم خاص سے پوچھا گیا کہ وہ زندگی میں کیسا تھا؟ کہا: مجھے کبھی دن میں غذا حاضر کرنے کی، اور رات میں بستر بنانے کی ضرورت نہ پڑی (کہ وہ قائم اللیل صائم الدھر تھا)۔ [۵۴]

---

۵۲) ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری، کتاب اخبار الطوال ص ۲۲۹

۵۳) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۳-ا ل- ص ۲۶

۵۴) الاخبار الطوال ص ۲۲۹

زخمی حضرت علیؓ نے پورے سکون سے جان دی۔ بیٹے امام حسنؓ کو ایک وصیت کی (جو جائداد اور خاندان کے افراد کے باہمی برتاؤ کے متعلق ہے، ولی عہدی یا سیاسیات کا اس میں کوئی ذکر نہیں)(ابن کثیر، مقاتل الطالبین للاصبہانی، طبری، ابن الاثیر) بعض لوگوں نے ان سے کہا بھی تو ولی عہد نامزد کرنے سے انکار کیا۔[۵۵] بعض اور نے پوچھا: کیا آپ کے بعد ہم حسنؓ کی بیعت کرلیں؟" تو کہا: "نہ تمہیں حکم دیتا ہوں، نہ منع کرتا ہوں۔" پھر وہ جنت کو سدھارے۔

چار سال نو ماہ کی حکمرانی کے بعد ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو چودہ لڑکے اور انیس لڑکیاں چھوڑ کر فوت ہوئے۔ ابن کثیر کے مطابق چار بیویاں اور انیس لونڈیاں گھر میں چھوڑیں، نیز چودہ بیٹے اور سترہ بیٹیاں۔ ابن حجر کے مطابق ۲۱ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں۔

ان کے خاندان میں ایک سندھی لڑکی بھی آئی اور اسی سے زید بن علیؒ پیدا ہوئے تھے۔[۵۶]

روحانی زندگی:

سارے کبار صحابہؓ کی طرح، یہ بھی عابد وزاہد تھے، اور قرآنی حکم "فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة" کی تعمیل میں انہوں نے نہ دنیا کو ترک کیا (حصولِ خلافت کی کوشش کی) اور نہ آخرت کو۔ آنحضرت ﷺ کی روحانی تعلیم کو جن صحابہؓ نے بطور خاص پھیلایا، ان میں یہ بہت ممتاز ہیں۔ اور آج تک نہ صرف شیعہ بلکہ سنی (قادری، چشتی، سہروردی وغیرہ) سلسلے انہیں کے توسط سے رسول اللہ ﷺ کے فیض سے مکتسب ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں انسانی چیزوں کو عیسائیوں کی طرح دینی اور دنیاوی میں نہیں بلکہ ظاہری اور باطنی میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکمرانی کے ساتھ ساتھ ظاہری امور دین یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ بھی خلیفۂ سیاسی سے متعلق ہوئے اور باطنی امور خلیفۂ طریقت سے۔

---

۵۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۳-۱ ص ۲۲

۵۶) انساب الاشراف ۱-۳۴۰

خلافت سیاسی کو بعض انصار نے متعدد امیروں میں ماننا چاہا تھا (**منا أمير و منكم أمير**)۔ لیکن امت نے اسے پسند نہ کیا، لیکن خلافت باطنی میں ایک سے زائد صحابیؓ رسول اللہ ﷺ کے خلیفۂ بلا فصل بنے، علیؓ بھی، ابو بکرؓ بھی۔ شاہ ولی اللہ (بحوالہ ازالۃ الخفا ۲:۱۸۲) کے مطابق حضرت عمرؓ کا سلسلۂ فاروقیہ بھی بر قرار رہا ہے۔ نیز متعدد دیگر صحابہؓ سے بھی۔ حضرت علیؓ رسول اکرم ﷺ کے سیاسی خلیفۂ بلا فصل نہ بنے (اور دنیا ایک سایہ ہے، آئی گئی چیز)، لیکن ابدی زندگی کے سلسلے میں وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے خلیفۂ بلا فصل ہیں، اور اس میں سنی شیعہ سب متفق ہیں۔ اب لے دے کر دونوں فرقوں میں فرق یہ رہ جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کو سیاسی زندگی میں بھی خلیفہ بلا فصل اور خلیفۂ اول بننے کا حق تھا یا نہیں؟ اب ان کی وفات کے ساڑھے تیرہ سو سال بعد اس مسئلے کی عملی اہمیت کچھ بھی نہیں، اس لیے اس کا فیصلہ خدا پر چھوڑا جاسکتا ہے۔

غالی فرقے بھی پیدا ہوئے، سب سے پہلے ابن سبا نے یہ خیال پھیلایا کہ حضرت علیؓ میں خدا نے حلول کیا ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے وصی اور آخر الاوصیاء ہیں (طبری)۔ حضرت نے اسے قید بھی کیا، جلاوطن بھی کیا مگر معلوم ہوتا ہے بڑا چرب زبان بھی تھا، عمار بن یاسرؓ بھی مصر گئے تو اس سے متاثر ہو گئے (طبری)۔ علوی، فاطمی وغیرہ بھی ان کے احترام میں مبالغہ کرتے ہیں۔ امامیہ شیعوں میں حضرت علیؓ ہی نہیں ان کے جانشین بارہ پشت کے امام بھی معصوم ہیں۔

اداری نظام:

ان کا زمانہ خانہ جنگی کا تھا، اس لیے بیرونی فتوح بالکل بند ہو گئیں۔ کہتے ہیں کہ صرف سندھ کی سمت ان کے والی نے کچھ عملیت جاری رکھی۔

کشوری نظم و نسق میں، جو حضرت ابو بکرؓ کے زمانے سے چلا آرہا تھا، کوئی خاص فرق خلافت علیؓ میں نظر نہیں آتا۔ دستور بھی بر قرار رہا کہ خلیفہ منتخب تو ہو مگر تاحیات۔ خلیفہ دستوری حکمران یعنی آئین پسند ہی رہا اور وہ قانون کو بدلنے کا

مجاز نہ تھا بلکہ قرآن و حدیث کا کاملاً تابع تھا، اور اپنے اعمال کے لیے عوام کے سامنے ہر وقت جوابدہ۔ مرکزی حکومت میں سارے امور خلیفہ سے متعلق رہے۔ مشورہ تو ہوتا ہے لیکن انہیں سے جن کو خلیفہ پسند کرے، عوام کے منتخبہ نمائندوں، اور شعبہ وار خود مختار وزیروں کا بھی سوال نہ تھا۔

سب سے اہم چیز شاید یہ تھی کہ مدینہ منورہ کی جگہ کوفہ دارالحکومت بنایا گیا۔ ابن عمرؓ کے اعتراض پر کہا: وہاں مال اور آدمی (سپاہی) ہیں۔

صوبوں میں حسب سابق گورنر تھے۔ اور ان میں بہت سے بنی ہاشم کے تھے۔ فوج اور سرکاری خزانہ گورنر ہی کے ماتحت ہوتا تھا۔

خود مختار قاضی ایک ایسا ادارہ ہے جس پر اسلام فخر کر سکتا ہے کہ وہ اپنے ہی مامور کنندہ خلیفہ کی بھی سماعت کر سکتا تھا۔ ابو بکرؓ کی طرح علیؓ کو بھی ان کے زمانۂ خلافت میں قاضی کے ہاں رجوع ہونا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ علیؓ نے ایک یہودی کے خلاف قاضی کے ہاں رجوع کیا، اور ثبوت کے لیے اپنے بیٹے اور غلام کو بطور گواہ پیش کیا۔ قاضی شریح نے شہادت رد کر دی کہ بیٹا باپ کے حق میں شہادت نہیں دے سکتا۔ فوری خفگی میں حضرت علیؓ نے قاضی کو برطرف کر دیا لیکن دوسرے ہی دن اضافۂ تنخواہ کے ساتھ مکرر مامور کر کے اپنی حق پسندی کا ثبوت دیا۔ ان کے زمانے کی ایک اہم اور اچھی اصلاح یہ تھی کہ ایک گواہ دوسرے گواہ کا بیان نہ سنے، ورنہ سابق میں سب حاضر رہتے اور گواہ ثانی گواہ اول کے بیانات سے معلومات حاصل کرتا اور امکان ہوتا کہ جھوٹا گواہ بھی اس طرح تفاصیل سے واقف ہو جائے۔ یعقوبی عام طور پر ناقابل اعتماد مؤرخ پایا گیا ہے۔ بہر حال وہ لکھتا ہے: "حضرت علیؓ نے عجیب و غریب احکام دیے حتیٰ کہ بعض لوگوں کو زندہ جلایا، بعض کو دھوئیں سے سزا دی (دخن)، چوری میں پہنچے کی جگہ صرف انگلیاں کاٹیں، لواطت میں مجرمین پر دیوار گرا کر ملبے میں زندہ دفن کیا۔"

غیر مسلموں کی عدالتیں بھی حسبِ سابق جدا ہی رہیں۔ ان سے سلوک اچھا رہا، انہیں سفیر تک بنایا۔ جزیے میں رقم کی طرح ہم قیمت مصنوعات بھی قبول کیے جاسکتے تھے۔ (۵۷)

ان کے زمانے میں قانون بین الممالک کی قسم "قانون بین المسلمین" نے خانہ جنگی کے باعث نظائر کے ذریعے سے ترقی کی۔ حضرت علیؓ کا طرزِ عمل اب فقہ کی کتابوں میں "کتاب البغاۃ" میں عام طور پر درج ملے گا۔ اسلحہ کے سوا مسلمان باغی کی دیگر گرفتار شدہ جائیداد کو وہ مال غنیمت نہیں بناتے تھے، بلکہ بھگوڑوں کا تعاقب تک نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس پر تو بعد میں کم عمل ہوا لیکن مسلمان باغی کو غلام نہ بناسکتا ایسا فیصلہ تھا جو ذہنوں میں راسخ ہو گیا ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جنگِ جمل کے فریقین کے مقتولوں پر انہوں نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ سنن سعید بن منصور (حدیث ۲۹۶۷) میں ہے: ان سے کسی نے پوچھا تو کہا" ہمارے اور ان مقتولوں میں سے جو شخص بھی وجہ اللہ اور دار آخرت چاہتے ہوئے لڑ کر مارا گیا وہ جنت میں جائے گا۔"

نماز فجر کی دعائے قنوت میں وہ آخری زمانے میں معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ وغیرہ پر لعنت کرنے لگے تو اطلاع ملنے پر معاویہؓ نے بھی مماثل طرزِ عمل اختیار کیا۔ (۵۸) یہ نامناسب بدعت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ختم کرائی۔

ان کی سرکاری مہر پر "اللہ الملک" درج تھا۔ کبھی کبھی "محمد رسول اللہ" (ﷺ) والی مہر بھی استعمال کرتے تھے، جیسا کہ تحکیم نامۂ صفین میں کیا تھا۔ چونکہ رسول اکرم ﷺ کی ایسی عبارت والی مہر بعد میں ابو بکرؓ نے استعمال کی، اس لیے اس کے سیاسی مضمرات واضح ہیں۔

---

۵۷) الاستیعاب۔ مادہ "علی"

۵۸) الکامل والتاریخ ۷۔ ۲۸۳

ان کے ذہانت آمیز فتوے اور فیصلے رسول اللہ ﷺ کی بھی تعریف حاصل کر چکے ہیں، اور خلیفہ حضرت عمرؓ کی بھی۔ خود ان کے زمانہ خلافت میں بھی اس کی دلچسپ مثالیں ملتی ہیں: دو شخص کھانے پر مل کر بیٹھے تھے، ایک کے پاس پانچ روٹیاں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ اتفاق سے ایک شخص پاس سے گزرا تو اسے بھی کھانے کی دعوت دی۔ اس نے چلتے ہوئے شکر گزاری میں آٹھ درہم پیش کیے۔ ان کے بٹوارے میں جھگڑا ہوا۔ پانچ روٹیوں والے نے تین روٹیوں والے رفیق سے کہا: پانچ درہم مجھے، تین تجھے ملنے چاہیے۔ دوسرے نے اصرار کیا کہ رقم مساوی بٹنی چاہیے۔ حضرت علیؓ کے پاس مقدمہ گیا تو انہوں نے تین روٹیوں والے جھگڑالو سے کہا: تیرا دوست جو دے رہا ہے لے لے۔ وہ اپنے اصرار پر قائم رہ کر عدالتی فیصلہ چاہنے لگا۔ حضرت علیؓ نے کہا: تجھے آٹھ میں سے صرف ایک درہم ملے گا، اور سات درہم تیرے رفیق کو۔ وہ بوکھلایا تو (حضرت علیؓ نے) کہا: آٹھ روٹیوں کو تین شخص نے کھایا، ان روٹیوں کے چوبیس ٹکڑے کرنے تھے تاکہ ہر ایک آٹھ ٹکڑے کھا سکے۔ یہ فرض کرنا چاہیے کہ تینوں نے مساوی مقدار میں کھانا کھایا۔ تیرے رفیق کے پاس کی پانچ روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے بنے، اور تیری تین روٹیوں کے نو۔ ان نو میں سے آٹھ خود تو نے کھائے اور صرف ایک ٹکڑا مہمان کو دیا اور تیرے رفیق کے پندرہ ٹکڑوں میں سے اس نے آٹھ کھائے اور سات مہمان کو دیے۔ لہٰذا مہمان کے دیے ہوئے آٹھ درہم میں سے ایک تجھے اور سات اسے ملیں گے۔[۵۹]

حضرت علیؓ کے فتوؤں کی دھوم تھی۔ اس لیے بعد میں بعض جادہ پرست مؤلفوں نے اصلی نقلی چیزوں کے مجموعے تیار کیے تھے۔ اس طرح کا ایک مجموعہ فتاویٰ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو دکھایا گیا تو انہوں نے بہت سی چیزوں کو مٹا دیا اور کہا کہ یہ حضرت علیؓ پر افترا ہے۔

---

۵۹) الاستیعاب۔ مادہ "علی"

انہیں حدیثِ نبویؐ سے بھی بڑی واقفیت تھی۔ ان کی روایتیں یکجا بھی مل سکتی ہیں، مثلاً مسند احمد بن حنبل، المعجم الکبیر للطبرانی، المستدرک للحاکم، وغیرہ میں۔ انہوں نے حدیثیں لکھائیں بھی۔ ایک دن مسجدِ کوفہ میں کہا: کون ہے جو میرا علم ایک درھم میں حاصل کرنا چاہتا ہے؟ الحارث الاعور دوڑ کر بازار گیا اور ایک درھم کا کاغذ خرید لایا اور اس نے بہت سی چیزیں (علماً کثیراً) لکھیں۔ حر بن عدی کے پاس بھی حضرت علیؓ کی لکھائی ہوئی چیزوں کا ایک پورا رسالہ (صحیفہ) تھا۔ ان کے پاس چونکہ رسول اکرم ﷺ کی ذاتی تلوار آگئی تھی۔ اس لیے اس پر جو دستاویزیں رسول اللہ ﷺ نے لپیٹ رکھی تھیں، وہ بھی ان کے پاس تھیں اور وہ ان کو پڑھ کر سناتے اور کہا کرتے: قرآن اور ان دستاویزوں کے سوا میرے پاس کوئی اور لکھی ہوئی چیز نہیں ہے۔[۶۰] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں شہری مملکت مدینہ کا دستور اور تخطیط حدود حرم مدینہ، نیز نصاب زکوٰۃ کی تفصیلیں شامل تھیں۔

دائرۃ المعارف اسلامیہ (فرنگی) کی طبع دوم کی مقالہ نگار مادۂ "علی" نے اپنی رائے یوں دی ہے: "ان کا نظام العمل غیر معین تو نہیں لیکن خواب خیال کی دنیا کا (Utopian) تھا مگر جب اقتدار ہاتھ میں آیا تو غالباً انہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ وہ نظام العمل تحقیق پذیر ہونے کے ناقابل ہے۔"

(فکر و نظر۔ اسلام آباد۔ جولائی، ستمبر ۱۹۸۵ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

---

۶۰) بخاری، الصحیح۔ ۵۸-۱۰، ۹۶، ۹۱ وغیرہ